تعمیر حیات

لکھنؤ

پندرہ روزہ

شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۲۲ | ۲۵ر فروری ۱۹۸۵ء مطابق ۴ر جمادی الثانی ۱۴۰۵ھ | شمارہ نمبر ۸

نگران اعلیٰ

مولانا ابوالعرفان ندوی

مجلس ادارت

شمس الحق ندوی
محمود الازہار ندوی

خط و کتابت کا پتہ:-
منیجر "تعمیر حیات" - پوسٹ بکس ۹۳
ندوۃ العلماء - لکھنؤ - انڈیا

زر تعاون

سالانہ	-/۲۵
ششماہی	-/۱۵
فی پرچہ	۱/۲۵

بیرون ملک

بحری ڈاک ۱۰ ڈالر

فضائی ڈاک

ایشیائی ممالک	۱۲ ڈالر
افریقی ممالک	۱۵ ڈالر
یورپ وامریکہ	۱۸ ڈالر

نوٹ

چیک، ڈرافٹ ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ فرمائیں۔

○

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپکا چندہ ختم ہوچکا ہے لہٰذا اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم، ندوۃ العلماء کا ترجمان، آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ پچیس روپے ارسال فرمائیے یہ آپ کی ذمہ داری ہے۔ چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا نمبر خریداری لکھنا نہ بھولیں۔

اداریہ

محمود الازہار ندوی

"ضمیر مغرب ہے تاجرانہ"

کویت سے شائع ہونے والے اخبار "الاخبار" نے یہ خبر شائع کی ہے کہ اٹلی نے اس اندیشہ سے کہ کہیں دودھ کی کثرت نہ ہوجائے ۷۰ ہزار گائیوں کو ختم کردیا ہے اور مالکان کو فی گائے ۶۰۰ ڈالر ادا کردیئے، تاکہ عالمی منڈیوں میں دودھ کی قیمت نہ گرے، فرانس نے بھی مذکورہ بالا وجوہات اور اسباب کی بناء پر ہزاروں ٹن سیب سمندر میں پھینکوا دیا اسی طرح امریکہ نے ہزاروں ٹن کیلے تلف کئے اور جنوبی امریکہ میں تو کافی کی کاشت کا بڑا حصہ اس لئے خاکستر کردیا جاتا ہے کہ کافی کی قیمت نہ گرے۔

اس قسم کی خبروں کا احاطہ کیا جائے تو ترقی یافتہ ممالک اپنے یہاں کی پیداوار کے بیشتر حصے سے کثیر زرمبادلہ کرتے ہیں اور جب انھیں یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ پیداوار میں کثرت کی وجہ سے مارکیٹ متاثر ہوگی اور طلب و رسد میں توازن برقرار نہیں رہ سکے گا تو بہتر قیمت کے حصول اور خاطر خواہ فائدہ حاصل کرنے کے لئے وہ اسے ناکارہ بنا دیتے ہیں، ضائع کردیتے ہیں، اسے سمندر میں پھینک دیتے ہیں، جلاکر خاکستر کردیتے ہیں اور اپنے اس فعل کو صحیح و درست ثابت کرنے کے لئے معاشیات کا سہارا لیتے ہیں مگر جب ان سے کہا جائے کہ نوع انسانی کے فلاں فلاں علاقے کھانے پینے کو ترس رہے ہیں اور قلت خوراک کی وجہ سے موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا ہیں تو وہ ان کی طرف اولاً توجہ نہیں کرتے اور توجہ کربھی لیں تو معمولی امداد دیتے ہیں لیکن جب ان ملکوں سے مضر اثرات رکھنے والی ادویہ اور اسلحہ جات پر امداد طلب کی جاتی ہے تو اس کے لئے تمام آسانیاں فراہم کردیتے ہیں انھیں سپلائی کرنے میں ذرا تامل نہیں کرتے اس لئے کہ اس صورت میں انسانی بقا کے بجائے انسانی فنا کے امکانات پوری طرح پیدا ہوجاتے ہیں جو ان کی عین آرزو و تمنا ہوتی ہے وہ ان چیزوں کی منھ مانگی قیمت وصول کرلیتے ہیں اور جب ان سے انسانیت کی بقا کے لئے امداد طلب کی جاتی ہے تو وہ ممالک جو انسانی حقوق، انسانیت نوازی، انسانی ہمدردی اور انسانی تعاون جیسے اہم امور کا ذکر کرتے رہتے ہیں اس سے اغماض برتتے ہیں اور انسانیت کو سسکتا بلکتا چھوڑ دیتے ہیں۔

موجودہ صورت حال یہ ہے کہ افریقہ تاریخ کے بدترین قحط کا شکار ہے لوگ دانے دانے کے محتاج ہیں لاکھوں کی تعداد میں بوڑھے، بچے، عورتیں لقمۂ اجل بن

آزادی رائے اور آزادی عمل

مولانا واضح رشید ندوی ایڈیٹر "الرائد" —— ترجمہ: بہار الدین سلیمان

عصر حاضر میں مختلف ملکوں اور حلقوں سے نکلنے والے رسائل و اخبارات لوگوں کے ذہن و دماغ اور فکر و نظر کو تربیت دینے کے بجائے ذہنی الجھن کا سبب بن رہے ہیں اور قارئین مثبت و منفی، اچھے برے، صحیح و سقیم میں امتیاز نہیں کرپاتے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہر مطبوعہ چیز قابل اعتماد ہوتی ہے اس لئے ان رسائل کو پڑھ کر ان کی ذہنی پریشانی بہت بڑھ جاتی ہے، یہ شائع ہونے والے مضامین خواہ کسی موضوع پر ہوں، سیاسی ہوں، ادبی ہوں، یا موجودہ سماجی زندگی کے متعلق ہوں ان مضامین میں فکری اور ذہنی یکسانیت اور وحدت نہیں پائی جاتی بلکہ ہر شخص الگ الگ راہیں اختیار کرتا ہے اور الگ طریقہ اپناتا ہے

مغربی ممالک میں فکری آزادی کے باوجود بعض شعبوں میں اتحاد و اتفاق ہے اور ایک اصول و آئین کے تحت وہ سب آپس میں متحد ہیں اور ان ممالک کے اساسی و بنیادی اتحاد و اتفاق ہے، لیکن مشرقی ممالک کا حال یہ ہے کہ یہاں اپنی رائے کا اظہار کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے اور پیدا شدہ مسائل و حالات کا تجزیہ و تحلیل شروع کردیتا ہے. چاہے وہ اس کے موضوع سے متعلق ہو یا نہ ہو ہر فرد اپنے اپنے تصور اور تعلیم و تربیت اور اپنی مرضی کے مطابق آزادی رائے استعمال کرتا ہے اور دل میں سمجھتا ہے کہ اس سے بہتر سوچنے والا کوئی نہیں اور اس کی رائے اور اس کا قول اور پیش کردہ حل دوسروں کے اقوال و افکار اور نظریات سے بہتر و افضل ہے اور اس کا طریق کار دوسروں کے طریق کار سے لاکھ درجہ بہتر ہے، وہ دوسروں کے نظریات کا مطالعہ اور اس پر غور کرنا پسند نہیں کرتا یہاں تک کہ تقابلی مطالعہ و موازنہ کا اور دوسرے کے نقطۂ نظر پر غور کرنے کا رجحان ہی ختم ہوگیا ہے اگر کسی شخص نے کسی گروہ یا پارٹی یا جماعت میں رہ کر کوئی رائے یا مشورہ — اور اپنی بات منوانے کی کوشش اور اس کے لائحہ عمل اور طریق کار کو اپنایا نہیں گیا تو وہ شخص فوراً اس پارٹی اور جماعت سے الگ ہوجاتا ہے اور ایک الگ پارٹی بنا بیٹھتا ہے، یا ادارہ قائم کرلیتا ہے، اور سابق جماعت یا ادارہ کی توڑ میں اپنی طاقت صرف کرنے لگتا ہے،

یہ مہلک و خطرناک بیماری بعض دعوتی سرگرمیوں اور دینی تنظیموں اور تحریکوں تک میں سرایت کرگئی ہے اس طور پر کہ ہر فرد اور ہر شخص یہی سمجھتا ہے کہ اسی کا حق ہے کہ وہ اپنی شخصی اور ذاتی رائے کا اظہار کرے اور اپنی فکر کو قبول کرنے پر اصرار کرے، جب کہ وہ معاشرہ کا صرف ایک فرد ہی ہے مگر اپنے کو سب کچھ سمجھنے لگتا ہے جیسے وہ مرجع خلائق ہو اب اگر اس کی بات رد کردی جاتی ہے تو وہ بھڑک اٹھتا ہے اور جماعت و تنظیم سے الگ نکل جاتا ہے اور امیر کے خلاف بغاوت کردیتا ہے اور ایک الگ تنظیم و جماعت کی داغ بیل ڈالتا ہے اور ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا لیتا ہے، پھر وہ پوری صلاحیت اس پرانی جماعت کو کمزور کرنے یا اسے ختم کرنے پر صرف کرتا ہے جس سے وہ نکلا یا نکالا گیا ہے وہ اس کے راز کا افشا کرنے لگتا ہے اور پرانے قائدین کو عوام کے سامنے رسوا کرنے لگتا ہے، اور ان کی نیتوں پر شکوک و شبہات کا اظہار کرنے لگتا ہے۔

یہی حال ہر گھر اور ہر فرد و معاشرہ اور تنظیم و جماعت کا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ساری کوششیں اور کاوشیں بٹ جاتی ہیں اور اتحاد پارہ پارہ ہوجاتا ہے، بجائے اس کے کہ لوگ ایک بامقصد و متعین پلیٹ فارم پر جمع ہوں اور ایک متعین پروگرام و عمل کی طرف پیش قدمی ہو، اس جماعت بندی یا انفرادی فکر کا اکثر سبب زائد خود اعتمادی اور ذاتی رائے و فکری آزادی پر حد سے زیادہ اعتماد ہوتا ہے

یہی ذہنیت معاشرہ و ماحول اور سوسائٹی کے انحطاط اور اتحاد کے انتشار و افتراق کا باعث بن جاتی ہے

اسلامی تربیت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص شخصی رائے کا احترام اور ہر عملی میدان میں ہر فرد کو اظہار خیال کا موقع دیا جائے جبکہ وہ اسلامی تعلیمات اسلامی عقائد کی روشنی میں ہو، لیکن اسکے باوجود الاعتصام بحبل اللہ کی دعوت اور جماعت کی کڑی میں جڑ کر کام کرنے کی ضرورت پر بہت زور دیا گیا ہے، ارشاد ربانی ہے، واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا ... وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ، حدیث میں ہے، ومن خرج من الجماعۃ مات میتۃ جاھلیۃ "ید اللہ علی الجماعۃ" و "ومن شذ شذ فی النار" اسی طرح بہت سی آیات و احادیث و آثار موجود ہیں جو اتحاد و اتفاق کی دعوت دیتے ہیں اور اجتماعی کام کی فضیلت اور نظم و نسق کی دعوت میں وارد ہوئی ہیں۔

اس لئے اسلام نے امیر و والی کی اطاعت پر بڑا زور دیا ہے، جب تک کہ وہ نماز، روزہ کا پابند ہو اور اللہ کی نافرمانی اور کفر و شرک کا ارتکاب نہ کرے، اس وقت تک اس کی اطاعت و فرمانبرداری کی جائے گی، اس جماعتی تصور کی وجہ سے ماضی میں ایک مضبوط و مستحکم اسلامی معاشرہ وجود میں آیا تھا جس نے اپنے اتحاد و اتفاق اور نظم و ضبط اور امیر کی اطاعت اللہ و رسول کی تعلیمات کے سامنے جھک جانے کی خوبیوں کی بدولت پوری دنیا کو فتح کرلیا تھا اور اس معاشرہ میں ذاتیات، تکبر و انانیت شخصی برتری ختم ہوگئی تھی،

اسلام نے آزادی فکر سے نہیں روکا، جب تک کہ وہ اسلامی تعلیمات کی روشنی اور ملی و دینی مصالح کے دائرہ میں ہو، لیکن ذاتی فکر، غور و خوض کے مطابق آزادی تصرف کی ایسی کھلی اجازت نہیں دیتا کہ اس سے گروپ بندی اور فتنہ پیدا ہو۔

صحابہ کرام کے اندر بھی انداز فکر اور مشورہ اور رائے میں اکثر اختلاف ہوا، لیکن ان لوگوں نے اختلاف رائے کے باوجود اپنے والی اور امیر کی فرمانبرداری کو اپنی رائے پر ترجیح دی، امیر کا صریح حکم صادر ہوتے ہی اس پر عمل پیرا ہوئے اور اطاعت و فرمانبرداری کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا۔ یہی حال مسلمانوں کے عزت و عظمت کے دور میں بھی رہا وہ افکار و نظریات میں اختلاف کرتے تھے جو ایک طبعی اور فطری شئی ہے لیکن اس کے باوجود وہ لوگ آپس میں عملی میدان میں فتنہ، فساد اور اختلاف و انتشار اور انارکی کے خوف سے اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ کرتے تھے، اور اجتماعی منافع و مصالح کو ترجیح دیتے تھے اس لئے ان کا معاشرہ فعال و متحد و مرتبط تھا اور آپس میں کنگھی کے دندانوں کی طرح تھے۔

لیکن آج انفرادی، فکری اور عملی انانیت عقلوں پر چھا گئی ہے، آزادی کے غلط تصور و استعمال کے ساتھ مسلمان بھی فکری اور ملی تفرقہ اور جماعتی و معاشرتی بگاڑ کا شکار ہیں، جیسا کہ دوسری امتیں اسمیں مبتلا ہیں، بڑے دکھ کی بات ہے کہ آج مسلمان منتشر ہوکر رہ گئے ہیں حالانکہ وہ ایک امت اور جماعت تھے، اور آج ان کا شیرازہ بکھر گیا ہے اور پارٹیوں اور جماعتوں میں بٹ گئے ہیں۔

اس لئے آج جماعتوں اور پارٹیوں اور مذاہب کی کثرت ہے، ذاتی فکر پر اصرار کرنے اور آزادی فکر کے حق کو غلط استعمال کرنے اور دوسری جماعت کے خلاف کام کرنے کی وجہ سے ہر جماعت ٹولیوں میں بٹ گئی ہے، ہر نئی پارٹی اور ہر نیا مسئلہ اپنی بقاء و استحکام اور ترقی کے لئے کوشاں ہے، خواہ وہ ترقی دوسری جماعتوں کے خاتمہ ہی کی وجہ سے کیوں نہ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ مسلمان ایک امت و جماعت کی طرح کام کرنے اور اجتماعی مشکلات و مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت کھو بیٹھے ہیں، حالانکہ مسلمان ایک جماعت و قوم ہیں، جن کا ہر فرد جماعت کا ایک جزو ہے، لیکن اب مسلمان افراد و اشخاص کی امت بن گئے ہیں ہر آدمی کے ساتھ لوگوں کی ایک جماعت ہے اور ہر جماعت یہ سمجھتی ہے کہ وہی اصل ہے اور وہی تنہا امت کی نمائندہ ہے۔

آج مسلمانوں کو اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ افراد کی مصلحت پر جماعت کی مصلحت کو ترجیح دینے اور انفرادی فکر و اظہار رائے کے باوجود ذاتی مصلحتوں کو قربان کرنے اور اجتماعی عمل کی روح پیدا کرنے کو ترجیح دی جائے

جو لوگ لکھتے ہیں یا جماعت و پارٹیاں بناتے ہیں یا تقریریں کرتے ہیں، انکی خاص طور پر ذمہ داری ہے کہ اسکی فکر کریں کیونکہ ان کا ہر لفظ جو پڑھا یا سنا جاتا ہے فکر کو مضبوط کرنے، افکار و نظریات کی اشاعت میں اہم کردار ادا کرتا ہے انھیں چاہئے کہ وہ اپنی ذمہ داری کا احساس کریں اور اپنے قول و عمل پر نگاہ رکھیں اس فکر کے ساتھ کہ ان کی رائے یا ان کا عمل کہیں تفرقہ و انتشار کی زیادتی کا سبب تو نہیں؟ وہ اپنے افکار و نظریات کا موازنہ کریں اور کسی نئی تحریک کے چلانے یا جدید تصور کو پیش کرنے کے بجائے وحدت کی کوشش کریں تو وہ بامقصد و فعال امت کی تعمیر و تشکیل میں اہم کردار ادا کریں گے جو کہ اپنی فکری و عملی وحدت کے ساتھ — ایک متعین مقصد و غایت کی طرف رواں دواں ہوگی۔

انشاء اللہ مئی ۱۹۸۵ء کے پہلے ہفتہ میں

ادارہ "رضوان" پیش کررہا ہے

ایک اہم سالنامہ

امہات المومنینؓ نمبر

اس اہم موضوع پر ممتاز اہل علم حضرات کی قلمی کاوشیں اس سالنامہ میں شریک اشاعت ہوں گی۔

- ★— امہات المومنینؓ کی حیات مبارکہ اور ان کے پرہدایت کارنامے
- ★— امہات المومنینؓ کی علمی و دینی اور سماجی خدمات
- ★— امہات المومنینؓ کی دین کی راہ میں بے مثال جدوجہد اور قربانیاں
- ★— امہات المومنینؓ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آنے سے قبل و بعد کی زندگی کی تفصیلات۔
- ★— عصر حاضر میں امہات المومنینؓ کی زندگیوں سے ہم کو کیا روشنی ملتی ہے؟
- ★— منتخب مضامین کا گلدستہ ★— تاریخی دستاویز ★— علمی و دینی روشنی

خوبصورت فوٹو آفسیٹ کی کتابت و طباعت

قیمت سالنامہ: آٹھ روپے
سالانہ چندہ: پندرہ روپے

نوٹ: ۲۵ اپریل ۸۵ء سے قبل خریدار بن جانے والوں کو یہ سالنامہ مفت پیش کیا جائے گا۔

دفتر ماہنامہ "رضوان"، ۳۷- گوئن روڈ، لکھنؤ ۲۲۶۰۱۸

چکے ہیں پوری دنیا وہاں کے قحط کے حالات وواقعات سے متاثر ہے اور ان کے ساتھ ہمدردی کرنے پر مجبور ہے وہاں کئی سال سے بارش نہیں ہوئی ہے غذائی امداد پہونچنے کے متعلق بین الاقوامی اور اس علاقہ میں مامور اداروں کو عدم تعاون کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اس سلسلہ میں ترقی یافتہ ممالک کی جانب سے جو امداد مل رہی وہ کم بھی ہے اور ناکافی بھی، سال گزشتہ کینیڈا نے صرف ۷ر۱۶ ملین ڈالر، سویڈن نے ۵ر۱۵ ملین ڈالر، برطانیہ نے ۱ر۵ ملین ڈالر اور امریکہ نے صرف ۳ ملین ڈالر کی امداد ایتھوپیا بھیجی، جو اس علاقہ میں سب سے زیادہ قحط سے متاثر ہے۔ مغربی ممالک کی جانب سے تو کچھ نہ کچھ امداد مل جاتی ہے مگر کمیونسٹ ممالک جو انسانیت کو مساوات اور برابری کا سبق دیتے ہیں۔ ان کا تو نام تک نہیں آتا ہے کیونکہ ان کا کام تو صرف ملک کی معاشیات کو کھوکھلا کرنا ہے سب کو بھوکا اور ننگا رکھنا ہے اور دنیا کی تباہی کے لئے مہلک سے مہلک اسلحہ کی تیاری ہے وہ خود اپنی غذائی ضروریات دوسرے ملکوں کی غذائی پیداوار سے پوری کرتے ہیں۔

براعظم افریقہ ایسے زبردست قحط کی لپیٹ میں ہے کہ اس سے صرف ایک ملک یا ایک علاقہ متاثر نہیں بلکہ اس کی لپیٹ میں آنے والے ملکوں کی ایک بڑی تعداد ہے جو سالوں سے اس مصیبت سے دوچار ہیں اس سلسلہ میں مختلف ذرائع ابلاغ سے جو اطلاعات ملی ہیں وہ بڑی جگر خراش ہیں۔ صرف ایتھوپیا اور صومالیہ میں ایک اندازے کے مطابق سترلاکھ افراد قحط کی زد میں ہیں اور ان میں سے دس لاکھ افراد کی ہلاکت یقینی معلوم ہوتی ہے اور سرکاری اعداد وشمار اور اطلاعات جو اب تک آئی ہیں وہ اس علاقے کا اُجڑا بھیانک نقشہ پیش کرتی ہیں۔

قحط کے متعلق حکومت ایتھوپیا کی آبادکاری اور راحت رسانی سے متعلق کمیشن نے اپنی تازہ ترین رپورٹ میں بتایا ہے کہ گزشتہ ماہ (جنوری) کے دوران ۲۰ لاکھ انسان اس تباہ کن قحط کے شکار ہو چکے ہیں خود حکومت ایتھوپیا نے بتایا ہے کہ ملک کی تباہ کن قحط سالی سے ایک کروڑ سے زیادہ انسانوں کی زندگیاں خطرے میں ہیں، رپورٹ میں مزید کہا گیا ہے کہ مشرقی افریقہ کے قحط میں ایتھوپیا کے ہر چار باشندوں میں سے ایک قحط کا شکار ہے، جہاں کی مجموعی آبادی ۴ کروڑ ۲۰ لاکھ ہے، ایتھوپیا کے شمالی صوبہ کی ۲ لاکھ ۶۰ ہزار کی آبادی ہے اور ۲۷ فیصد آبادی کو غذائی امداد کی شدید ضرورت ہے، کمیشن نے بتایا کہ سنگین سوکھے کی بدولت ملک کے ۴۰ فیصد زرعی پیداوار متاثر ہوئی ہے

مصری اخبار "الاہرام" کے مطابق ایتھوپیا میں بھوک سے مرنے والوں کی تعداد ایک سو افراد یومیہ ہے، ہفت روزہ "المستقبل" نے لکھا ہے کہ ایتھوپیا میں ان گنت لوگ موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا ہو کر اس حد تک لاغر وناتواں ہو چکے ہیں کہ شکلیں بگڑ گئی ہیں۔ اب ان کی شناخت بھی آسان نہیں رہی ہے ان میں اب غذا کھانے اور ہضم کرنے کی ضروری قوت وسکت بھی باقی نہیں، تصاویر سے یوں لگتا ہے کہ ان کے پیٹ چمٹ کر ہڈیوں سے مل گئے ہیں آنکھیں اندر کو دھنس گئی ہیں جن میں قدرتی چمک، رونق اور اصلی رنگت مفقود ہو چکی ہے اور ٹانگیں گوشت سے خالی ہو چکی ہیں محض ہڈیاں دکھائی دیتی ہیں اور دیگر جسمانی اعضاء نہایت مضمحل ہو کر قوت وہمت کھو چکے ہیں۔

نائیجیریا بھی خشک سالی کی لپیٹ میں آچکا ہے لوگ زندہ رہنے کے لئے درختوں کی پتیاں چبا رہے ہیں اخبار العالم الاسلامی کے مطابق لوگ گوشت کھانے کے ساتھ ساتھ جانوروں کی کھالیں بھی کھا جاتے ہیں

کینیا مستقبل کا ایتھوپیا ہے وہاں خشک سالی کے اثرات سے ہزاروں لوگوں کی جانیں بچانے کی کارروائیاں ہو رہی ہیں اکثر بادیہ نشیں نصف سے زیادہ مویشیوں سے جن پر ان کی معیشت کا انحصار ہے محروم ہو گئے ہیں، نیروبی کے مضافات میں اس قدر گائے بھینس بکری اور گدھے پڑے ہیں کہ قدرت کی جانب سے مرداروں کی صفائی پر مامور گدھ اور گیدڑ اتنی بڑی تعداد سے نمٹ نہیں پاتے، حکومت سوڈان نے تمام بین الاقوامی تنظیموں اور ممالک سے اپیل کی ہے کہ اس کی اقتصادی مدد کی جائے کیونکہ اس کے قرب وجوار کے تمام قحط زدگان بھی بھاگ کر سوڈان میں پناہ لے رہے ہیں اور اس وقت سوڈان میں بظاہر نفاذ شریعت کی وجہ سے لادین مغرب سوڈان کو یہ سزا دے رہا ہے کہ اس کی اقتصادیات کا گلا گھونٹ دے اس مشکل وقت میں قحط زدگان کا بوجھ اس کے لئے اور ناقابل برداشت ہے

ایسی صورت میں جب کہ ایک ملک بھوک سے مر رہا ہے دوسرا اصول تجارت سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں اسے اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ اس کا یہ عمل انسانیت کشی کے مرادف ہے اور جو رزق انسان کی بقا کے لئے عطا کیا گیا ہے وہ تجارت اور اپنی بالادستی قائم کرنے پر صرف ہو رہا ہے اور جو نعمت قحط زدہ افراد، قبیلوں، ملکوں کی زندگی کی بقا، انسانیت کی مدد، بھوکوں کو روح اور جسم کا رشتہ برقرار رکھنے کے لئے ملی تھی اسے معاشی اصولوں سے تولنا کتنی گری ہوئی بات ہے اور یہ انداز فکر اس پستی اور گراوٹ کی طرف نشاندہی کرتا ہے کہ مغرب انسانی قدروں کے بارے میں کس قدر کھوکھلا ہو گیا ہے۔

مذکورہ بالا ممالک جنھیں اپنے مفادات عزیز ہیں وہ اسے انسانیت کشی سے حاصل کرتے ہیں اور اسے دنیا کو عین انسانیت، عین ہمدردی بتاتے ہیں اور سیاسی اقتصادی واجتماعی مفادات کو بڑی سے بڑی انسانیت دشمنی سے حاصل کر لیتے ہیں اور ان کی نگاہوں میں قحط سالی، مصیبت زدگی کی کوئی اہمیت نہیں گویا ان کے یہاں انسانی زندگی کی کوئی حقیقت نہیں، انھیں انسانیت کے تمام اسباق اس وقت یاد آجاتے ہیں جب مسلمان حکومتوں میں اسلامی نفاذ، نفاذ شریعت یا شرعی قوانین کا نام لیا جاتا ہے اور اگر اس پر ایک فیصدی بھی عمل ہو جائے تو وہ عین انسانیت کشی ہوتا ہے اس پر پورے یورپ کا دل دکھ درد اور تکلیف سے چھلنی ہو جاتا ہے اور اس کے خلاف اتنے شد ومد کے ساتھ پروپیگنڈے کرتے ہیں کہ گویا پوری انسانیت تختۂ دار پر ہے اور جب انسانیت پر عرصۂ حیات تنگ ہو جاتا ہے، زندگی کے لالے پڑ جاتے ہیں اس وقت انھیں اپنے اصول تاجرانہ یاد آتے ہیں "ضمیر مغرب ہے تاجرانہ" انھیں نہ انسانیت سے کوئی ہمدردی ہے نہ افریقہ کے قحط زدگان سے، یہ ہے وہ مغرب جو انسانی ہمدردی کا دعویدار ہے بزعم خود وہ انسانیت کا منبع حیات ہے مخزن تہذیب ثقافت ہے۔

عدل وانصاف

مامون الرشید

ایک شکستہ حال بڑھیا مامون الرشید کے دربار میں آئی اور شکایت کی کہ ایک ظالم نے میری جائداد چھین لی ہے۔

مامون نے پوچھا: "وہ کون ہے؟"

بڑھیا نے جسارت کے ساتھ مامون کے بیٹے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ شخص جو آپ کے پہلو میں بیٹھا ہے۔"

یہ سنکر مامون نے اپنے وزیر کو حکم دیا کہ شہزادہ کو بڑھیا کے برابر لے جاکر کھڑا کر دو۔ پھر دونوں کے بیانات سننا شروع کئے۔ شہزادہ رک رک کر آہستہ آہستہ بول رہا تھا۔ لیکن بڑھیا نہایت بلند آواز سے مسلسل گفتگو کر رہی تھی۔ وزیر نے بڑھیا کو روکنا چاہا کہ بادشاہ کے سامنے چلا کر بولنا بے ادبی ہے۔ مامون نے وزیر سے کہا تم اسے مت روکو وہ جس طرح چاہے آزادی سے بولے۔ سچائی نے اس کی زبان تیز کر دی ہے اور عباس کو گونگا بنا دیا ہے۔

جب دونوں کے بیانات ختم ہو گئے تو مامون نے بڑھیا کے حق میں فیصلہ کر کے اپنے لڑکے عباس سے اس کی جائداد واپس کرا دی۔ اس کے علاوہ ایک معقول رقم بڑھیا کو دلائی گئی تاکہ اس مقدمہ کے سلسلے میں بڑھیا کو جو تکلیف پہنچی ہے اس کی تلافی ہو سکے۔

واقعات وحالات سے سبق لینے کی ضرورت

یہ تقریر بھیونڈی اور بمبئی کے فساد کے چند روز بعد ڈاکٹر اسمٰعیل داؤد بھائی کے دولت کدہ پر بمبئی کے ایک چیدہ مجمع کے سامنے کی گئی، جس میں زیادہ تر ڈاکٹر صاحبان اور اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات تھے، تقریر ریکارڈ کر لی گئی تھی، ٹیپ کی مدد سے قلمبند کی گئی، مولانا مدظلہ کی نظر ثانی کے بعد پیش کی جا رہی ہے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

خطبۂ مسنونہ کے بعد!

حضرات! ہم مسلمانوں کو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جا بجا یہ ہدایت فرمائی ہے کہ ہم واقعات وحالات سے فائدہ اٹھایا کریں، اور ان سے صحیح نتیجہ نکالیں۔ اسباب اور اسباب کے نتائج میں اللہ تعالیٰ نے ایک خاص تعلق پیدا کیا ہے۔ جیسے دواؤں میں خاصیت ہے، درخت کی پتیوں میں خاصیت ہے، یہاں تک کہ گھاس پھوس میں خاصیت ہے۔ اعمال، اخلاق، طرز عمل اور زندگی کے طور طریق میں اس سے بھی زیادہ طاقتور خاصیتیں ہیں۔ اسی لیے کہ دوائیں، غذائیں، نباتات، تجربات تو انسان کی زندگی کی حفاظت اور انسان کو امراض کی تکلیف سے بچانے کے لیے پیدا کی گئی ہیں، زندگی تو اصل چیز ہے۔ جو واقعات ہمارے گرد وپیش گزرتے ہیں ان سے ہمیں سبق لینا چاہیے اور قرآن مجید میں اس کی نہ صرف ہدایت کی گئی ہے، بلکہ سبق نہ لینے پر ناراضگی کا اظہار اور اس کی مذمت کی گئی ہے۔

سورۂ یوسف کے آخر میں آتا ہے

وکاین من آیۃ فی السموات والارض	اور آسمان وزمین میں بہت سی نشانیاں ہیں جن پر
یمرون علیہا وہم عنہا معرضون	[illegible]

یعنی کتنی نشانیاں ہیں اس زمین وآسمان میں کہ ان کے پاس سے یہ لوگ منہ پھیر کر گزر جاتے ہیں اور اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے ہیں ان سے کوئی سبق نہیں لیتے۔ اس سے بھی زیادہ سخت الفاظ میں سورۂ یونس میں کہا گیا:

وما تغنی الآیات والنذر	جو لوگ ایمان نہیں رکھتے ان کے لئے نشانیاں
عن قوم لا یؤمنون	اور ڈراوے کچھ کام نہیں آتے۔

ایک جگہ فرمایا گیا:

سنریہم آیاتنا فی الآفاق وفی	ہم عنقریب ان کو اطراف عالم میں بھی
انفسہم حتی یتبین لہم انہ الحق	اور خود ان کی ذات میں بھی نشانیاں
[illegible]	دکھائیں گے، یہاں تک کہ ان پر
[illegible]	ظاہر ہو جائے گا کہ وہ حق ہے۔

اس وقت کا اہم ترین واقعہ جس کی طرف خاص طور پر ہم ہندوستانی مسلمانوں کی توجہ ہونی چاہیے، وہ روزمرہ کے فسادات ہیں۔ یہ فسادات کیوں ہوتے ہیں؟ کیا یہ محض اتفاقی واقعہ ہیں، یا یہ مسلمانوں کی تقدیر بن گئے ہیں؟ [illegible] کچھ ہماری کوتاہی، ہمارے طرز عمل کو بھی دخل ہے، اور اس سے کچھ ہم پر بھی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، یا صرف حکومت اور انتظامی عملے ہی پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟ یہ مسئلہ تمام مسائل میں اس وقت سب سے زیادہ قابل غور ہے۔ اگرچہ اپنے حجم وتعداد (QUANTITY) میں یہ کوئی بڑا مجمع نہیں ہے، لیکن آپ حضرات اپنی ثقافتی، ذہنی سطح (QUALITY) کے لحاظ سے بہت اہم ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ جو بات اس مختصر جماعت کے سامنے کہی جا سکتی ہے وہ بعض اوقات بڑے مجمع میں کہی جانے والی بات سے بھی زیادہ قیمتی ہوگی۔

حضرات! مسلمانوں کا پہلا فرض تو یہ ہے کہ وہ جہاں کہیں بھی ہوں، جس ملک میں بھی ہوں، وہ اولاً اپنے ہم وطنوں کو اس [illegible] میں شریک کرنے کی کوشش کریں جو اللہ نے ان کو عطا کی ہے، [illegible] اللہ تعالیٰ نے [illegible]

[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]

اس کے بعد [illegible] لوگوں کو ان سے زیادہ محبت ہوتی ہے [illegible] ہوتی ہے۔ تو پہلی وجہ تو یہ ہے کہ مسلمان [illegible] اللہ تعالیٰ نے ان پر جو احسان فرمایا ہے، ان کو جو ہدایت دی ہے، ان کو جو روشنی عطا فرمائی ہے، اس روشنی کو زیادہ سے زیادہ پھیلائیں، سارا قرآن شریف اس سے بھرا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس کا ذمہ دار قرار دیا ہے۔

دوسرا فرض جو از روئے دین، انسانیت اور عقل سلیم ہم پر عائد ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ ہم اپنا تعارف کرائیں، کہ ہم کس دین کے ماننے والے ہیں، کن اصولوں کو ہم تسلیم کرتے ہیں اور ہماری زندگی کن چیزوں کی پابند ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم اپنے اخلاق سے لوگوں کو مانوس اور قریب کریں۔ لوگوں کو اس دین کے مطالعہ پر آمادہ کریں، جس دین کے ہم پابند ہیں، اس دین کے بارے میں ان میں تجسس (CURIOSITY) پیدا ہو کہ یہ کس طرح کے لوگ ہیں، یہ کس دین کو مانتے ہیں، ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہ کسی کو تکلیف نہیں پہونچاتے، یہ ہر ایک کے خیر خواہ ہیں، یہ دولت ہی کو سب کچھ نہیں سمجھتے، ان کے نزدیک کچھ اور حقائق ہیں، کچھ اور (VALUES) ہیں، کچھ اور (IDEALS) ہیں، یہ کس طرح کے لوگ ہیں جن کو دولت کی بڑی سے بڑی مقدار خرید نہیں سکتی، ان کو اپنے اصول سے ہٹا نہیں سکتی، ان کو ظلم پر آمادہ نہیں کر سکتی۔ کیا ان کے سامنے کوئی اور عالم ہے جو ہماری نگاہوں سے اوجھل ہے؟ ذہن پر چوٹ لگانے والی بعض چیزیں ہوتی ہیں، جو بعض اوقات آدمی کی زندگی اور خیالات میں انقلاب پیدا کر دیتی ہیں۔

جبار بن سلمیٰ نامی ایک صحابی تھے۔ وہ اسلام لائے۔ ان سے کسی نے کہا کہ آپ کیسے اسلام لائے؟ آپ تو اپنے مذہب میں بڑے سخت تھے؟ انھوں نے کہا کہ ایک فقرہ اس کا سبب بن گیا۔ واقعہ یہ پیش آیا کہ میں نے ایک مسلمان (عامر بن فہیرہ) کے نیزہ مارا اور وہ نیزہ ایک پہلو سے گھس کر دوسرے پہلو سے نکل گیا اور وہ تڑپ کر گر گئے، زمین پر گرتے گرتے اور جان دیتے دیتے ان کی زبان سے ایک جملہ نکلا اور وہی جملہ ہے جو مجھے اسلام کی طرف کھینچ لایا۔ انھوں نے کہا کہ "کعبہ کے رب کی قسم میں تو کامیاب ہو گیا" (فزت ورب الکعبۃ)۔ میں نے سوچا کہ کامیابی کسے کہتے ہیں؟ کیا کامیابی کے دو معیار ہیں؟ میں دیکھ رہا ہوں کہ ایک شخص جان کنی کے عالم میں گرتا ہے۔ تھوڑی دیر میں وہ دنیا کی لذت سے محروم ہو جائے گا۔ وہ جانتا ہے کہ اس کی بیوی بیوہ ہو جائے گی۔ اس کے بچے یتیم ہو جائیں گے۔ پھر کس چیز کو دیکھ کر وہ کہتا ہے کہ میں کامیاب ہو گیا؟ میرے دل میں ایک خلش پیدا ہو گئی کہ معلوم کرنا چاہیے کہ مسلمان کامیابی کسے کہتے ہیں؟ میں نے دیکھا کہ تمام دنیا کی ناکامیاں اس کے لیے جمع ہو گئیں اور اس نے ہر چیز سے ہاتھ دھو لیا، مگر وہ ایسے وقت میں جب کوئی جھوٹ بول نہیں سکتا کہتا ہے کہ میں کامیاب ہو گیا (مرتے وقت عام طور پر کوئی جھوٹ نہیں بولتا اور عرب تو زندہ رہ کر بھی جھوٹ نہیں بولتے) میں نے لوگوں سے کہا کہ اس نے کیا دیکھ کر کہا کہ میں کامیاب ہو گیا؟ انھوں نے کہا کہ تم نہیں جانتے! اس کو خوشی تھی کہ میں نے حق کے لیے جان دی، یہ مسلمان اللہ پر یقین رکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ جو شہید ہوتے ہیں وہ جنت میں جاتے ہیں۔ اس زخمی مسلمان نے کچھ دیکھا ہوگا، جنت دیکھی ہوگی اور یہ یقین اس کے دل میں بیٹھا ہوگا کہ میں شہید ہو جاؤں گا تو جنت میں جاؤں گا، تو اس نے کہا کہ میں کامیاب ہو گیا۔ کہنے لگے کہ اس جملے نے میرے دل کو پکڑ لیا اور کھینچ کر دائرۂ اسلام میں لے آیا۔

حضرات! میں نے جو واقعہ سنایا یہ بہت آخری درجے کا واقعہ ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ ہر مسلمان اس کا مظاہرہ کر سکتا ہے اور کرنا چاہیے۔ البتہ مسلمانوں کا طرز زندگی خود ایسا ہونا چاہیے تھا کہ پڑوسیوں کو اور اس ملک کی دوسری آبادی کو وہ یہ سوچنے پر آمادہ کرے کہ یہ کیسے لوگ ہیں، کیا یہ پیسے کی قیمت نہیں جانتے۔ یہ نہیں جانتے کہ پیسے سے آدمی عیش وعشرت، عزت وطاقت کے کیسے سامان خرید سکتا ہے۔ یہ نہیں جانتے کہ جھوٹ بولنے سے بعض مرتبہ کتنا فائدہ ہوتا ہے، یہ نہیں سمجھتے کہ بڑی بڑی کوٹھیوں میں بڑے بینک بیلنس کے ساتھ آدمی کس طرح عیش سے رہ سکتا ہے، پھر یہ ان چیزوں کے پیچھے کیوں نہیں دوڑتے جن کے پیچھے ہم دوڑتے ہیں۔ جو چیزیں ہمیں خرید لیتی ہیں وہ چیزیں انھیں کیوں نہیں خرید لیتیں؟

ہماری زندگی ایسی ہوتی تو لوگوں کو اسلام کی طرف کھینچتی، میں مثال کے طور پر کہتا ہوں، یہ اہل علم کے لیے ایک سوال ہے، کہ آنحضرتؐ تیرہ برس تک مکہ معظمہ میں اسلام کی طرف دعوت دیتے رہے، وہی ان تمام خصوصیات اور برکتوں کے ساتھ جو آپ کا حصہ تھیں، اللہ کی پوری مدد، پوری تائید آپ کے ساتھ تھی، قرآن شریف نازل ہو رہا تھا اور دس برس مدینہ طیبہ میں آپ نے دعوت دی۔ کل تیئیس برس ہوئے لیکن صلح حدیبیہ ہوئی ہے سنہ ۶ھ میں، ہجرت کے چھٹے سال اور سنہ ۸ھ میں فتح ہوا۔ امام زہری جو بڑے جلیل القدر تابعی اور امام ہیں، کہتے ہیں کہ اس دو ڈھائی برس میں جتنی تعداد میں لوگ مسلمان ہوئے ہیں پورے بیس، اکیس برس میں اس قدر لوگ مسلمان نہیں ہوئے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا بات ہے؟ وہی اللہ کے رسول، وہی قرآن، وہی معجزات، وہی تاثیر، وہی صحبت کی برکت۔ لیکن دو ڈھائی برس میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رشتہ ٹوٹ گیا ہو، یا تسبیح کی لڑی کا دھاگا ٹوٹ گیا ہو، اور تسبیح کے دانے بکھر گئے۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ صلح حدیبیہ نے موقع دیا کہ عرب آزادانہ مدینہ آئیں جائیں اور مسلمانوں کی زندگی دیکھیں۔ اب تک ایک دیوار کھڑی تھی، اسلام اور کفر کے درمیان، اور لڑائیاں ہو رہی تھیں۔ غیر مسلم مدینے میں آتے ڈرتے تھے۔ اب مسلمان ادھر گئے، غیر مسلم ادھر آئے۔ ان کو مسلمانوں کو دیکھنے کا، یا میدان جنگ میں موقع ملتا تھا یا پھر سفر وغیرہ میں کہیں ساتھ ہو جائے وہ بھی کم، لیکن صلح حدیبیہ کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ مکہ کا جو آدمی چاہے مدینہ بے خطر آئے، اور جو مسلمان چاہے بے خطر مکہ چلا جائے۔ ملنے جلنے کی پوری آزادی ہے۔ کوئی کسی پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتا۔ بس پھر کیا تھا! مکے کے لوگ اپنے عزیزوں سے ملنے مدینہ آئے، اور آئے تو دیکھا کہ ان کی تو زندگیاں بدلی ہوئی ہیں، ہم سب ایک ہی زبان بولتے رہے، ایک ہی نسل کے ہم لوگ ہیں، ایک ہی لباس پہنتے ہیں، ایک ہی خوراک ہے۔ پھر کیا بات ہے کہ ان کا خلق ہم سے مختلف ہے، ان کا معاملہ ہم سے مختلف ہے۔ ہم ان کے یہاں مہمان رہتے ہیں [illegible] تو یہ اپنے بچے کو بھوکا رکھ کر ہمیں کھانا دیتے ہیں۔ یہ پہلے ہماری خبر لیتے ہیں، پھر اپنے گھر والوں کی خبر لیتے ہیں۔ ہمیں پہلے آرام سے سلاتے ہیں پھر خود سوتے ہیں۔ انھوں نے نہ کبھی ہمارا مذاق اڑایا، نہ ہم پر کبھی کوئی فقرہ کسا۔ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ یہ اپنے کاموں میں بڑے مستعد ہیں، یہ نہیں کہ اسلام لانے کے بعد یہ کاہل ہو گئے ہوں۔ نماز کے وقت نماز پڑھتے ہیں اور کام کے وقت کام کرتے ہیں۔ اور اپنے بال بچوں کے ساتھ بھی ان کا برتاؤ بہت اچھا ہے۔ سب اس سے سوچ میں پڑ گئے کہ یہ فرق کہاں سے آیا؟ معلوم ہوا کہ یہ فرق اسلام نے پیدا کیا۔ اب ان کو اسلام پر غور کرنے کا موقع ملا۔ اور وہ اسلام کی طرف کھنچنے لگے۔ ہزاروں ہزار آدمی مسلمان ہوئے۔ امام زہری سے بڑھ کر معتبر کون ہو سکتا ہے۔ حدیث کی روایات کے بڑے حصے کا دار ومدار انھی پر ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عربوں کو اس عرصے میں مسلمانوں سے ملنے کا موقع ملا۔ انھوں نے مسلمانوں کو قریب سے دیکھا، اس سے اسلام نے ان کے دل میں گھر کر لیا اور اپنا عاشق بنا لیا۔

اب آپ بتائیے کہ کسی ملک میں مسلمان ایک ہزار برس سے ہوں اور وہ مسلمان اپنا تعارف نہ کرا سکیں، وہ ان کو متاثر نہ کر سکیں، تو بتائیے یہ کوتاہی ہے یا نہیں؟ اصل بات یہ ہے کہ ہمارے اخلاق کی خوشبو ہمارے ہم وطنوں تک نہیں پہنچ سکی۔ انھوں نے ہم کو سیاسی میدان میں دیکھا، انتخابی معرکے، الیکشن کے میدان میں ہم کو آزمایا، یا تجارت کے مقابلے میں ہم کو دیکھا، [illegible]۔ انھوں نے ہم کو معاملات میں نہیں پرکھا، انھوں نے ہم کو اخلاق سے نہیں جانا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ اس طرح مسلمانوں پر حملہ کرتے ہیں جیسے بالکل غیر مانوس پردیسی اور اجنبی پر کرتے ہیں۔ ابھی تک ان کو یہ نہیں معلوم کہ ہم اپنے اندر کیا جوہر رکھتے ہیں، کیسی محبت رکھتے ہیں، کیسی انسانیت رکھتے ہیں۔ ہمارے دل میں ان کے لیے کیسی خیر خواہی کا جذبہ ہے۔ ہم اس ملک کے لیے کتنے مفید ہیں، کتنے ضروری ہیں؟ ہماری وجہ سے ملک پر اللہ کی کیسی رحمتیں نازل ہو سکتی ہیں۔ ابھی تک ہم غیر مسلموں کو اپنے پڑوسیوں تک کو واقف نہیں کرا سکے۔ اس کا ثبوت برابر ملتا رہتا ہے۔ آپ کسی پڑھے لکھے ہندو سے پوچھ لیجیے کہ آپ نے اسلام کا مطالعہ کیا ہے؟ کہیں گے بالکل نہیں، اچھا آپ اسلام اور مسلمانوں سے متعلق کیا جانتے ہیں؟ وہ کہیں گے کہ ہم مسلمانوں سے متعلق اتنا جانتے ہیں کہ مسلمان ختنہ کراتا ہے، گائے کا گوشت کھاتا ہے اور کچھ بات ہو جائے تو اسے بڑی جلدی غصہ آ جاتا ہے۔ [illegible] بات ہے کہ مسلمان سر پر چوٹی نہیں رکھتا۔ ہم سے ہمارے ایک عرب فاضل دوست کہتے تھے کہ جب میں امریکہ گیا، تو وہاں لوگ مسلمان اور عرب سمجھ کر مجھ سے دو باتیں پوچھتے تھے، ایک یہ کہ [illegible] تمہارے حرم میں کتنی بیویاں ہیں؟ دوسرے تمہارے دروازے پر کتنے اونٹ بندھے ہیں؟ تو گویا مسلمان کی پہچان امریکہ میں دو ہیں۔ کئی بیویاں رکھنا اور اونٹ والا ہونا۔ تو آج یہ ہندوستان کا ہندو جو متوسط درجے کا ہے [illegible] مسلمانوں کے بارے میں جانتا ہے کہ ختنہ کراتا ہے۔ گائے کا گوشت کھانا اس کے مذہب میں داخل ہے، [illegible] اگر وہ گائے کا گوشت نہ کھائے، اور غصہ اس کی ناک پر رکھا ہوا ہے۔ [illegible] مسلمان کو غصہ آ گیا۔ مسلمان کی دوسری اہم خصوصیت یہ ہے [illegible] مسجد کے سامنے [illegible] لیکن غیر مسلم کی بارات کا باجا نہیں بج سکتا مسجد کے سامنے۔ [illegible] یہ ہے کل تعارف ہمارا اس ملک میں۔

میں ہردوئی سے لکھنؤ آ رہا تھا، تبلیغی جماعت کے کچھ احباب ساتھ تھے، نماز کا وقت ہوا تو ہم (ریل میں) نماز کے لیے کھڑے ہوئے۔ رکوع میں، سجدے میں جاتے ہوئے اللہ اکبر کہنا ہوتا ہے۔ ایک صاحب جو ہمارے قریب بیٹھے تھے اور جنھوں نے اپنا تعارف کرایا تھا کہ وہ ایک ضلع کے ڈسٹرکٹ بورڈ کے چیئرمین ہیں، انھوں نے بڑے بھولے پن سے پوچھا کہ مولانا صاحب! یہ بار بار آپ اللہ اکبر اللہ اکبر کہتے تھے، کیا اکبر بادشاہ کا نام لیتے تھے؟ ہم ابھی تک انھیں اذان کا مطلب تک نہیں بتا سکے جو پانچوں وقت اور اکثر جگہ لاؤڈ اسپیکر سے ہوتی ہے۔ ہمارے ایک بزرگ تھے، انھوں نے کہا [illegible] تو کم سے کم اذان میں جو کچھ کہا جاتا ہے اس کا ہندی میں ترجمہ کر دیا، ہندو بھائی کہتے ہیں کہ اذان میں ہمارے [illegible] برا بھلا کہا جاتا ہے، یا یہ جہاد کا نعرہ ہے۔ ان کو نہیں معلوم کہ

حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح، الصلوٰۃ خیر من النوم کے معنی کیا ہیں؟

تو ہم اس ملک میں کرتے کیا رہے اتنے دنوں تک۔ اب جب فساد ہوتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ دیکھیے صاحب یہ کیسے لوگ ہیں کہ اتنے دنوں سے ہم ان کے ساتھ رہ رہے ہیں اور ذرا بھی ان کو ہمارے ساتھ تعلق نہیں ہے۔ اصل میں ہمارے ان ہم وطنوں کی بھی غلطی ہے، ان کے رہنماؤں کا بھی قصور ہے، اس سیاسی نظام اور الیکشنی طریقے کا بھی عیب ہے، تعلیمی نصاب اور کورس وغیرہ کی کتابوں کا بھی

ذمہ داری ہے۔ میں ان حقیقتوں کو تاریخ کے طالب علم کی حیثیت سے خوب جانتا ہوں، مگر اس وقت غیر مسلم بھائیوں اور حکومت و تعلیم کے ذمہ داروں سے میرا خطاب نہیں ہے۔ جب ہوگا تو بتاؤں گا کہ خود ان کی کتنی بڑی ذمہ داری تھی کہ وہ اس عظیم ترین اقلیت کے بنیادی عقائد، تہذیب و معاشرت اور اخلاق و عادات اور خصوصیات کو سمجھنے کی کوشش کرتے جو ایک ہزار سال سے زیادہ مدت سے ان کے ساتھ دیوار بدیوار رہتی چلی آرہی ہے، اور جس نے اس ملک کی تعمیر و ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا ہے، اور جس کے ہم مذہب ان کے ہمسایہ ممالک اور درجنوں آزاد ملکوں میں رہتے بستے ہیں۔ نیز مجھ کو تعلیم کے ذمہ داروں اور ملک کے دانشوروں کو بار بار بتانا چاہیے تھا کہ تاریخ کی نصابی کتابیں کس قدر نفرت اور خوف پیدا کرنے کی ذمہ دار ہیں، خود ہمارے ہم وطنوں کے اندر بھی بہت سی کمزوریاں ہیں۔ مگر ان کی کمزوریاں آپ کے سامنے بیان کرنے سے کوئی فائدہ نہیں، میں تو اس وقت اپنی کمزوریاں بیان کر رہا ہوں، کہ ہم نے اپنے سے ان کو مانوس نہیں کیا، اسلام کا تعارف نہیں کرایا۔ آپ ہی میں سے کوئی بتائے کہ ہم میں سے کتنوں نے اپنے ساتھ کام کرنے والوں کو، یا کلاس فیلو دوستوں کو کوئی چیز دلچسپ پڑھنے کو دی ہو جس سے اسلام کا تعارف ہو۔ میں پوچھتا ہوں کہ مرہٹی، گجراتی، تامل میں اسلام کے تعارف میں کتنی چیزیں ہیں، جو غیر مسلموں کو آنکھ بند کر کے دی جا سکیں! علاقائی زبانوں میں ہم نے کتنا کام کیا؟ ان میں کتنے اچھے لکھنے والے ہم مسلمانوں میں پیدا ہوئے۔ ہاں یہاں بڑے بڑے جرنلسٹ مل جائیں گے۔ بحث کریں گے تو ہم اردو کا اخبار نکالیں گے، چار نکل رہے ہیں تو پانچواں نکالیں گے اور اسے بہت بڑا جہاد سمجھیں گے۔ کیا مرہٹی، گجراتی کا کوئی روزنامہ نکالنے کی ضرورت نہیں تھی، یا کم سے کم کوئی دیگر نکالنے کی ضرورت نہیں تھی! ایسا اخبار جو جدید اسٹائل میں ہو بالکل اپ ٹو ڈیٹ، ہم آج تک انگریزی کا کوئی روزنامہ نہیں نکال سکے۔ جب فساد ہو جاتا ہے اور اخباروں میں غلط خبریں شائع ہوتی ہیں تو شکایت کرتے ہیں کہ دیکھیے صاحب کیسا اندھیر ہے کہ ہم ہی مارے جائیں اور ہم ہی مجرم ٹھہرائے جائیں۔ مجھے خوب یاد ہے کہ مسلم پرسنل لا کا جلسہ (غالباً ۱۹۷۲ء میں) بمبئی میں ہوا تھا، بڑا عظیم الشان جلسہ تھا، خیال ہے کہ پچاس ساٹھ ہزار یا غالباً لاکھ آدمی شریک تھے۔ اگلے دن یا اسی دن دلوائی صاحب نے ایک مظاہرہ (DEMONSTRATION) کیا۔ مسلمانوں نے ان پر چپل پھینکے ان کو مارنے دوڑے اور پولیس نے ان کو گھیرے میں لے کر نکال لیا۔ دوسرے دن بمبئی کے انگریزی اخباروں میں جلسے کی خبر تو ایک کونے میں ذرا سی دی گئی اور دلوائی صاحب کے مظاہرہ کو ایسی جگہ دی گئی تھی جیسے اس میں دس بیس ہزار آدمی تھے۔ فساد کے مستقل سدباب کا طریقہ ہے کہ آپ اپنا طرز زندگی ایسا بنائیں جس میں کشش ہو غیر مسلم کے لیے، وہ دیکھیں کہ مسلمان کس طرح نظم پیدا کر کے چلتا ہے، اس سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچتی، وہ دیکھیں کہ یہ شخص [illegible] پانی بہہ رہا ہے ہزاروں آدمی دیکھتے ہیں اور گزر جاتے ہیں لیکن یہ مسلمان جاتا ہے اور نل بند کر دیتا ہے کہ یہ پانی ہمارے خدا کی دی ہوئی نعمت ہے یہ ہمارے ملک کا پانی ہے اسے ضائع نہیں کرنا چاہیے، بار بار ایسا ہوا [illegible] غیر مسلم ہم وطن [illegible] میں دیر ہوئی ہماری [illegible] کہ جب آپ کا آنا ہوگا تو ہم پا لیں گے۔ یہ بھی کوئی تخیلاتی بات ہے لیکن وہ بالکل توقع نہیں کرتے تھے کہ مسلمان اس طرح کے کام کرتے ہیں۔ اس سے ان کا تخیل اسلام کے متعلق بدلتا ہے وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اسلام پھاڑ کھانے والی چیز یعنی وائلڈ چیز نہیں۔ اسلام تو انسانیت کی تعمیر کا سانچہ ہے جس سے انسان ڈھل کر نکلتے ہیں، اپنے طرز عمل سے بازاروں میں، دفتروں میں، کارخانوں اور جہاں جہاں اپنے ہم وطنوں کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملتا ہے، آپ اسلامی تعلیمات، اسلامی اخلاق اور اسلامی سیرت کا دلکش نمونہ پیش کریں۔ بوڑھا آدمی ہو تو اس کو سہارا دے دیں، کوئی عورت ہو تو اس کی مدد کر دیں اور کوئی غلط کام ہو رہا ہو جس سے معاشرے کو تکلیف یا ملک کا نقصان ہو رہا ہو تو اس کی اصلاح اور اس کو نرمی کے ساتھ روکنے کی کوشش کریں۔

اس وقت کے حالات کی رعایت سے میں نے اتنی بات کہی ہے۔ اور کہنے کی باتیں تو بہت تھیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم کو صحیح سمجھ عطا فرمائے اور عمل کی توفیق دے، ہماری معروضات کو قبول فرمائے اور مفید بنائے اور ہماری حفاظت و نصرت فرمائے کہ وہ [illegible]

[illegible]

احکام القرآن پر عمل کی برکت

از ——— مولانا عبدالکریم پاریکھ

ترک دنیا، رہبانیت، گوشہ گیری اور تجرد کی زندگی کو اللہ کی کتابوں میں کبھی بھی پسند نہیں کیا گیا، اللہ کے نبیوں و رسولوں نے انسانوں کو سماج زندگی کے ہر بگاڑ کے موقع سے بچنے کے لئے صاف ستھرے اور سادہ احکامات بتائے جس پر عمل کرنے سے سدھار کا جوکھمی کام اپنے فطری نہج پر چل پڑتا ہے۔

مثلاً بیوہ خواتین کا مسئلہ اور غلامی کے سدباب میں قرآن مجید نے سورہ نور کی ۳۲ اور ۳۳ نمبر کی آیات میں جو احکامات دیئے ہیں انھیں عمل میں لا کر نزول قرآن کے زمانہ کی مسلم سوسائٹی نے صرف ان دو مسئلوں کے حل کے لئے جیسے ہی قدم اٹھایا اللہ کی رحمت مسلم سماج پر سایہ فگن ہو گئی اور سماج کے تحفظ کے بہت سے اور بھی کام ان کے ساتھ ساتھ حل کر لئے گئے۔ مثلاً بیوہ عورتوں کو نکاح ثانی کی اجازت، غلاموں، کنیزوں کو نکاح کے بندھن میں باندھنے کا مسئلہ رزق کی تنگی محتاجی کو دور کرنے کا سماجی اقدام عفت اور پاکیزگی کے قول و قرار پر غلاموں کنیزوں کی آزادی کے شخصی اور عوامی دستاویز اور غلاموں و کنیزوں کو آزادی میں معاشرہ اور حکومت کی طرف سے مالی امداد، جنسی آوارگی کی پوری پوری روک تھام، بے گناہ خواتین پر جبراً کرائے گئے برے کاموں پر ان کی معافی کا اعلان اور سوسائٹی میں ان کے باعزت مقام کا اعلان یہ سب نعمتیں صرف ان دو آیات پر عمل پیرا ہونے سے اہل ایمان کے معاشرہ نے حاصل کر لی۔

اللہ تعالیٰ کی کتاب پر عمل پیرا ہونے سے اہل ایمان کے لئے اپنی رحمت اور برکت کے ایسے دروازے کھول دیئے کہ مسلم سوسائٹی نہال ہو گئی۔

آج بھی ہم اپنے رب کے احکامات پر عمل کرنے کے لئے ایک قدم آگے بڑھیں تو دس گنی غیبی مدد کا وعدہ پورا کرنے کی طرف سلطان کائنات کی رحمت متوجہ ہے۔

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ؕ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْۤ اٰتٰىكُمْ ؕ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

(۲۴ سورۂ نور آیت نمبر ۳۲/۳۳)

تمہارے نوکر چاکر غلام کنیزیں جو نیک ہوں اور تم میں سے جو لوگ غیر شادی شدہ ہوں اور جو عورتیں بیوہ ہو چکی ہوں ان کا نکاح کرا دینے میں تم کو توجہ کرنی چاہیے، اگر ایسے لوگ مالی اعتبار سے کمزور ہوں تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دیگا۔ اور واقعی اللہ تعالیٰ کشادگی عطا کرنیوالا اور علم والا ہے۔

"جن لوگوں کو نکاح کرنے کی سہولت نہ ہو تو وہ اپنے آپ کو تھامے رکھیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو کشادگی عطا فرما دے اور تمہارے غلام یا کنیز میں سے کوئی تم سے آزادی کا پروانہ حاصل کرنا چاہے تو اگر تم ان میں بھلائی کا پہلو دیکھو تو انھیں آزادی کا دستاویز لکھ دو اور اللہ نے تم کو جو مال عطا فرمایا ہے اس میں سے ان کی مدد بھی کرو اور دنیا کی تھوڑی زندگی کے لئے مال حرام کمانے کو اپنی کنیزوں اور زرخرید مجبور لڑکیوں سے بدکاری کا جبری کام لینا فوراً بند کرو اور اگر وہ کسی کے نکاح کے بندھن میں آ کر پاکدامن زندگی گزارنا چاہیں تو انھیں غلامی سے آزاد کر کے سہارا دو اور یاد رکھنا چاہیے کہ ایسی بے بس لڑکیوں کو جاہلیت کے زمانہ میں بدی کے کام پر لگایا گیا ہو گا تو اللہ ان کی بے کسی کے سبب انھیں معاف کر دیگا وہ غفور و رحیم ہے۔"

مسلم سماج پر ضروری ہے کہ بیوہ عورتوں یا طلاق شدہ عورت یا بے نکاح مرد یا جس آدمی کی بیوی وفات پا چکی ہو اور نوکر چاکر غلام کنیز باندی وغیرہ گھر بسانے کی صلاحیت رکھتے ہوں اور جوان لڑکے لڑکیاں ان سب کو جوڑا باندھنے کی ترغیب دے، سماج میں تجرد یا بے نکاح کے زندگی گزارنے والے کبھی کبھی شیطان کے فریب میں آ کر اپنی عفت، عصمت کھو دیتے ہیں اور معاشرہ میں جنسی انارکی اور انسانی نسل کے مشکوک ہونے کے امکانات پیدا ہوتے ہیں۔ نیز سماج میں یہ برائی پیدا نہ ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ بڑے بوڑھے اور خاندان و سماج کے ذمہ دار لوگ جوڑے باندھنے میں توجہ دیں بات چلائیں صلاح مشورہ دیں اور موقعہ ہو تو وہاں مالی امداد کا سہارا دیکر بے کام کو نکاح کرنے کی ترغیب دیں اور مسلمانوں کی حکومت ہو تو وہ بھی اس کام میں مدد دے تاکہ مسلمان معاشرہ کو نکاح میں آسانی ہو اور بدی سے محفوظ رہے۔

اس میں تین باتوں کا خلاصہ ہے

۱۔ نکاح کا مقدور نہ ہو مالی حالت اجازت نہ دے یا مناسب رشتہ دار نہ مل سکے تو مؤمن کو صبر سے اپنے آپ کو تھام رکھنا چاہیے اللہ جلد ہی نکاح میں رکاوٹ کے اسباب دور فرما دیگا۔

۲۔ اسلام نے غلامی کو ختم کرنے کے لئے بہت سے طریقے رائج کئے اس میں سے ایک یہ بھی ہے کہ لونڈی غلام آزادی حاصل کرنے کے لئے کسی رقم کا وعدہ کریں تو آقا کو چاہیے کہ ان میں بھلائی دیکھے تو ضرور انھیں آزادی کا پروانہ لکھ دے۔ دستاویز میں جو کچھ لکھا پڑھی ہو اس کے مطابق لونڈی غلام یہ رقم آقا کو ادا کر دیں گے لیکن دیکھنا یہ چاہیے کہ یہاں سے چھوٹ کر کہیں اور اپنی آزادی کا غلط استعمال کر کے سماج میں آوارہ پن کے بگاڑ پیدا کرے۔

۳۔ جاہلیت میں لوگ لڑکیوں کو بازار سے خریدتے تھے اور جوان ہوتیں تو ان سے پیشہ کراتے اللہ نے اسے منع کر دیا اور یہ بھی حکم دیا کہ اگر ایسی لڑکیاں شادی شدہ ہو کر گھر گرہستی کی زندگی گزارنا چاہیں تو آقا پر لازم ہے کہ انھیں آزاد کر دے اور ان کی مالی مدد بھی کرے لیکن جبر و ظلم سے جاہلیت کے زمانہ میں جن لوگوں نے ایسی بے بس لڑکیوں سے برے کام لئے تھے تو اللہ ان لڑکیوں کی بے چارگی کے سبب انھیں معاف کر دے گا۔

سوال و جواب

——— محمد طارق ندوی

س:- اگر کوئی شخص نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں اپنے لئے کوئی جگہ خاص کرے تو کیا یہ مکروہ ہے؟

ج:- ہاں" ویکرہ للانسان ان یخص لنفسہ مکانا فی المسجد یصلی فیہ۔
فتاوی عالمگیریہ ج ۱

یہ مکروہ ہے کہ کوئی شخص مسجد میں اپنے لئے نماز کی کوئی جگہ مخصوص کرلے۔

س:- ایک شخص ننگے پیر چل کر مسجد تک آیا تو کیا وہ مسجد کی دیوار سے پیر پوچھ سکتا ہے؟

ج:- نہیں، صورت مسئولہ میں مسجد کی دیوار سے پیر پوچھنا مکروہ ہے۔
ولو مشی فی الطین کرہ ان یمسحہ بحائط المسجد۔ فتاوی عالمگیریہ
جلد اول ص ۱۵۳

اور اگر کوئی مٹی میں چلتا ہے تو اس کے لئے مسجد کی دیوار سے پیر پوچھنا مکروہ ہے۔

س:- کیا سجدہ میں دونوں ہاتھ پاؤں کا پھیلانا مکروہ ہے؟

ج:- ہاں سجدہ میں دونوں ہاتھوں کا بچھانا مکروہ ہے۔

س:- اگر کوئی شخص فرض نماز میں سورۃ سے پہلے فاتحہ پڑھ جائے تو اس پر سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟

ج:- صورت مسئولہ میں سجدۂ سہو واجب ہوگا
ولو اخر الفاتحۃ عن السورۃ فعلیہ سجود السہو کذا فی التبیین۔ فتاوی عالمگیریہ

اگر کوئی شخص فاتحہ کو سورہ سے مؤخر کرتا ہے تو اس پر سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

س:- اگر کوئی شخص ظہر کی آخری دو رکعتوں میں فاتحہ کے ساتھ سورہ پڑھ جائے تو کیا اس پر سجدۂ سہو واجب ہوگا؟

ج:- اس صورت میں سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا، البتہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔

افریقہ کی نئی نسل میں اسلام کا شعور بیدار ہو رہا ہے

مسلم ممالک کی دولت مشترکہ قائم ہو جائے تو افریقہ "مستقبل کا براعظم" بن سکتا ہے۔

شعبہ علوم اسلامی ڈربن یونیورسٹی کے سربراہ
ڈاکٹر سید سلمان ندوی سے ملاقات

گفتگو: محمد صلاح الدین
محمد معین الدین

برصغیر پاک و ہند کے ممتاز عالم دین اور شہرۂ آفاق سیرۃ النبیؐ کے مصنف علامہ سید سلیمان ندویؒ کے لائق فخر صاحبزادے ڈاکٹر سید سلمان ندوی جنوبی افریقہ کی ڈربن یونیورسٹی میں ۱۹۷۳ء سے شعبۂ اسلامی علوم کے پروفیسر اور صدر نشین ہیں۔ اس دوران ۸۱-۱۹۸۰ء میں وہ اسی یونیورسٹی میں ڈین فیکلٹی آف آرٹس رہ چکے ہیں۔ وہ ۱۹۷۹ء سے شعبۂ اسلامی علوم کے مراکز تحقیق کے تحت شائع ہونے والے جریدے "العلم" کے مدیر ہیں۔ ڈربن یونیورسٹی سے قبل ڈاکٹر سید سلمان ندوی ۶۶ء تا ۷۳ء سندھ یونیورسٹی میں ۶۹-۱۹۶۸ء اور ۷۳-۱۹۷۲ء میں شکاگو یونیورسٹی امریکہ میں بھی تدریس کے فرائض انجام دے چکے ہیں۔ وہ بے شمار بین الاقوامی علمی مذاکروں میں شرکت کر کے ان میں اپنے تحقیقی مقالے پیش کر چکے ہیں۔ آپ دنیا کی سات زبانیں جانتے ہیں جن میں سے چار زبانوں انگریزی، اردو، عربی اور فارسی میں اپنا مافی الضمیر زبانی و تحریری طور پر پوری طرح ادا کر سکتے ہیں۔ ڈاکٹر سید سلمان ندوی کے مطالعہ و تحقیق کے خصوصی موضوعات اسلامی تاریخ و فلسفہ، جدید اسلامی تحریکیں، افریقہ، مشرق وسطی اور برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی صورت حال ہیں۔ آپ قرآن و حدیث، فقہ، سیرت النبیؐ، تاریخ اسلام، اسلامی قانون، اسلام کی سیاسی فکر اور عربی زبان پر مکمل عبور رکھتے ہیں۔ مطالعہ و تحقیق اور مشاہدہ و تجربہ کی غرض سے ڈاکٹر صاحب دنیا کے ۲۲ ملکوں کا دورہ کر چکے ہیں۔ گزشتہ دنوں وہ پاکستان آئے ہوئے تھے چنانچہ ہم نے دفتر "تکبیر" میں ایک مختصر نشست میں ان سے افریقہ میں فروغ اسلام کے موضوع پر گفتگو کی جو نذر قارئین ہے۔

س:- آپ ڈربن یونیورسٹی میں کب سے ہیں!

ج:- مجھے ۱۹۷۳ء میں ڈربن یونیورسٹی نے دعوت دی تھی۔ اس وقت وہاں دراسات اسلامیہ کا کوئی شعبہ نہیں تھا۔ اسی شعبہ کے قیام کے سلسلہ میں مجھے بلایا جا رہا تھا۔ چنانچہ میں ۱۹۷۳ء ہی میں ڈربن یونیورسٹی چلا گیا اور اس وقت سے آج تک اس شعبہ کا صدر ہوں گویا مجھے اس حیثیت سے خدمات انجام دیتے ہوئے پورے دس سال ہو چکے ہیں۔ ۱۹۸۰ء میں میں شکاگو جانا چاہتا تھا مگر ہماری یونیورسٹی نے نہیں جانے دیا۔

س:- آپ کے شعبہ میں کل کتنے طلبہ ہیں!

ج:- ہمارے شعبہ میں اس وقت ۱۶۰ طلبہ ہیں جن میں سے ۱۴۰ یا ۱۵۰ بی اے سال اول تک، بی اے سال دوم، آنرز، ایم اے اور پی ایچ ڈی کی کلاسوں میں ہیں۔ وہاں بی اے کے لیے کالج نہیں ہیں بلکہ اس کی تعلیم یونیورسٹی ہی میں ہوتی ہے

س:- جنوبی افریقہ میں مسلمان کن کن فرقوں پر مشتمل ہے۔

ج:- جنوبی افریقہ میں پہلی بار جو شخص مسلمان ۱۶۵۴ء یا ۱۶۵۵ء میں آئے تھے۔ پہلے وہ جاوا سے بحیثیت غلام آئے تھے اور ان کی تعداد بہت کم تھی جو بعد میں بڑھتی گئی۔ ۱۶۹۴ء میں ولندیزیوں نے ملائشیا کے ایک شیخ یوسف کو شکست دے کر یہاں واقع اپنی کالونی کیپ ٹاؤن بھیج دیا۔ اس وقت وہ اپنے چالیس کے قریب اہل و عیال و مریدین کے ساتھ جنوبی افریقہ کے اس علاقے میں آئے تھے۔ چار سال بعد شیخ یوسف کا انتقال ہو گیا لیکن اس مختصر مدت میں انہوں نے یہاں فروغ اسلام کے لیے نہایت بنیادی اور اہم کام سرانجام دیا جس کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں ان کے لیے عزت و احترام کا جذبہ آج بھی موجود ہے اور ان کے مزار کو زیارت گاہ بنایا جاتا ہے کیپ کے مسلمان عموماً شافعی المذہب ہیں۔

پھر ۱۸۶۰ء میں انگریز جنوبی ہند سے ہندو اور مسلمانوں کی بڑی تعداد کو جنوبی افریقہ میں لائے تاکہ ان سے گنے کے کھیتوں پر کام لیا جا سکے۔ بعد میں میمن اور گجراتی حضرات کو پتہ چلا تو وہ اپنے خرچ پر تجارت کی غرض سے وہاں پہنچے اس طرح ۱۸۹۵ء اور ۱۹۰۰ء کے درمیانی عرصہ میں کافی لوگ تجارت کے لیے جنوبی افریقہ آئے۔ مسلمان قوم جب بھی گئی ہے اس نے سب سے پہلا کام مسجد بنانے کا کیا ہے۔ جنوبی افریقہ میں ہر مسجد کے ساتھ مکتب بھی قائم ہوا۔ وہ چونکہ خود پڑھے لکھے نہیں تھے لہذا انہوں نے مسجدوں اور مدرسوں کے لیے اماموں، مؤذنوں اور مولوی صاحبان کو ہندوستان سے بلا کر انہیں مسجدوں میں آباد کیا۔ جنوبی افریقہ میں سب سے پرانی مسجد ایک تو کیپ ٹاؤن میں ہے اور دوسری ڈربن میں ہے۔ جو جامع مسجد کہلاتی ہے۔ اس مسجد میں تقریباً چھ ہزار مسلمان نماز ادا کر سکتے ہیں۔ اس وقت صرف ڈربن میں تیس مسجدیں ہیں اور ہر مسجد سے لاؤڈ اسپیکر پر اذان ہوتی ہے۔

جنوبی افریقہ میں تین ساڑھے تین لاکھ مسلمان آباد ہیں جن میں زیادہ تر ہندی الاصل اور ملائشیا کے رہنے والے ہیں۔ ان کے علاوہ تقریباً پندرہ ہزار افریقی مسلمان اور تقریباً [illegible] ہزار گورے مسلمان ہیں۔ ہندی الاصل مسلمانوں کے ساتھ نسلی امتیاز روا رکھا جاتا تھا۔ لہذا ان کے لیے تعلیم کا کوئی خاص انتظام نہیں تھا۔ بعد میں اسکولوں میں مسلمانوں کو تعلیم کی اجازت ملی۔ کوئی بیس پچیس سال قبل سفید فاموں کے ساتھ کسی قدر [illegible] ملنے لگی اور یہ خیال پیدا ہوا کہ ان کی اعلیٰ تعلیم کا کوئی انتظام ہونا چاہیے اس سے پہلے گوروں کے لیے تو یونیورسٹیاں موجود تھیں لیکن ان کے دروازے کالے لوگوں پر بند تھے چنانچہ ہندی الاصل باشندوں کیلئے ایک علیحدہ یونیورسٹی قائم کر دی گئی تاکہ وہ گوروں کے ساتھ تعلیم کا حق نہ مانگیں۔ اس سے بھی مسئلہ حل نہ ہوا کیونکہ اس یونیورسٹی میں سائنس اور آرٹس کے مروجہ علوم کی تعلیم دی جاتی تھی جبکہ ہندی، ملائی اور زنجباری مسلمانوں میں اسلام کے لیے لگن اور تڑپ موجود تھی اور بچوں کو بہرصورت مسلمان رکھنا اور انہیں اسلامی تعلیم دلانا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے مساجد اور مکاتب کا باقاعدہ انتظام کیا۔ جنوبی افریقہ کی ہر مسجد میں شام کو تین سے پانچ بجے تک ایک مدرسہ کام کرتا ہے اور چودہ پندرہ سال تک کے بچے ان مدارس میں مغرب تک جاتے ہیں۔ گویا ذہنی طور پر بچہ تیار رہتا ہے کہ اسے اسکول کے بعد مدرسہ ضرور جانا ہے۔

س:- اب نسلی امتیاز کی صورت حال کیا ہے!

ج:- کچھ مقامی اور کچھ بین الاقوامی دباؤ کی وجہ سے گزشتہ دس سال کے عرصہ میں نسلی امتیاز کافی حد تک کم ہو گیا ہے۔ ابھی حال ہی میں اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ کوئی طالب علم کسی بھی یونیورسٹی میں داخلہ لے سکتا ہے۔ البتہ مختلف نسلی گروہوں کے لیے کوٹہ مقرر کر دیا گیا ہے۔ تاکہ کوئی نسل دوسری نسل پر حاوی نہ ہو سکے۔ ملازمتوں میں بھی نسلی امتیاز ختم کر دیا گیا ہے۔ آج سے چند سال پہلے یہ ممکن نہیں تھا کہ کوئی سیاہ فام باشندہ کسی سفید فام باشندے کا افسر ہو سکے یا کوئی کالا سپاہی کسی گورے ڈرائیور کا چالان کر سکے۔ عام مقامات پر بھی گوروں اور کالوں کی تختیاں ہٹا دی گئی ہیں۔ البتہ ان کی بستیاں آج بھی علیحدہ علیحدہ ہیں۔ گوروں میں بھی دو گروپ ہیں۔ ایک قدامت پسند اور دوسرا اعتدال پسند۔ اس وقت جنوبی افریقہ میں اعتدال پسند گروپ کی حکومت قائم ہے جو "افریکانا" کہلاتے ہیں۔ یہ ولندیزی اور جرمن باشندے ہیں۔ جبکہ قدامت پسند گروپ، جنوبی انگریزوں پر مشتمل ہے۔ اور وہ زیادہ تر تجارت سے منسلک ہیں۔ اعتدال پسند گروپ یعنی افریکانا، جو حکومت میں ہیں، اس کوشش میں ہیں۔ کہ نسلی امتیاز کو کم کر کے ہر ایک کی ہمدردیاں حاصل کریں اور اپنی حکومت برقرار رکھ سکیں۔ لیکن ان کا عالم یہ ہے کہ

کبھی ہے پیچھے، کبھی سامنے آگے

ایک طرف ان کے اپنے اپنے انتخابی حلقے ہیں تو دوسری طرف مقامی اور بین الاقوامی دباؤ کا ان کو سامنا ہے۔ چنانچہ وہ دو قدم آگے بڑھاتے ہیں تو ایک قدم پیچھے بھی ہٹتے ہیں۔ حال ہی میں انہوں نے ریفرنڈم کے ذریعے معلوم کیا کہ کیا نسلی امتیاز کو ختم کر کے سیاست میں سیاہ فام اور رنگدار باشندوں کو شریک کریں یا نہ کریں۔ ریفرنڈم کے نتیجہ میں حکمرانوں کو اس بات کی تقریباً اجازت مل گئی ہے کہ سیاہ فام اور رنگدار باشندوں کو شرکت کا موقع دیا جائے۔ اس عوامی تائید کے بعد افریکانا نے نسلی امتیاز ختم کرنے کی رفتار کو تیز کر دیا ہے ان کا خیال یہ ہے کہ اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو قدامت پسند گروپ جیت جائے گا اور اس طرح خونی انقلاب کی راہ ہموار ہو جائے گی وہ اس خطرے کو دور کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جنوبی افریقہ میں نسلی امتیاز بالکل ختم ہو گیا ہے۔ اسپورٹس کے شعبہ میں بین الاقوامی دباؤ سب سے زیادہ ہے۔

س:- افریقہ میں بحیثیت مجموعی تبلیغ اسلام اور فروغ اسلام کی کیا کیفیت ہے!

ج:- اس سلسلہ میں ایک اصولی بات سمجھ لینے کی ضرورت ہے اور وہ یہ کہ اسلام میں عیسائیت کی طرح [illegible] کی کوئی گنجائش نہیں ہے مسلمانوں نے اپنے کردار کی بنیاد پر اشاعت اسلام کا کام کیا ہے۔ افریقہ میں اس وقت بہت سی تحریکیں چل رہی ہیں لیکن جنوبی افریقہ میں مسلمانوں کو کام کرنے کی خاصی آزادی ہے۔ وہاں تقریباً سو فیصد سنی مسلمان ہیں۔ اس لیے مسلمانوں کے درمیان کسی قسم کی کوئی کشمکش نہیں ہے۔ ایک چھوٹا سا لیکن غیر مؤثر گروپ قادیانیوں کا ہے لیکن ان پر نظر نہ رکھی گئی تو وہ کسی وقت بھی قابل ذکر گروہ میں تبدیل ہو سکتا ہے۔

انڈونیشیا کی طرح نائیجیریا میں بھی صورت حال یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان عیسائیت اختیار کرے تو کوئی حرج نہیں لیکن کسی مسلمان کو آپ اچھا مسلمان بنانے یا کوئی ایسی تحریک چلانے کی کوشش کریں جس کی زد حکمرانوں پر پڑتی ہو تو یہ سخت قابل اعتراض بات ہوگی۔ اس قسم کے مسائل بعض افریقی ممالک میں موجود ہیں۔ البتہ عوام میں اور بالخصوص نوجوانوں میں اسلامی شعور بیدار ہو رہا ہے اور وہ اپنے آپ کو جماعت اسلامی یا اخوان المسلمون سے منسلک کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں وہ ان جماعتوں کے لٹریچر سے استفادہ کرتے ہیں۔ ہم بھی اس نقطۂ نظر سے ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں کہ اس طرح نوجوان کمیونزم یا سوشلزم کی تحریکوں سے بچ جائیں گے۔ اس مقصد کے لیے ہمارے پاس انگریزی زبان میں لٹریچر کی بڑی کمی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ انگریزی میں اسلامی لٹریچر فراہم کیا جائے۔

س:- نائیجیریا میں جو اسلامی سنٹر کام کر رہے ہیں کیا ان کی کوششوں کا کوئی نمایاں اثر محسوس کیا جا رہا ہے!

ج:- ان کا اثر بہت محدود ہے مثلاً نائیجیریا میں ہمارے دوست عبدالرحمن دوئی صاحب ہیں، اس قسم کے لوگ محدود علمی پیمانے پر کام کر سکتے ہیں، اس سے آگے بڑھیں تو فوراً حکومت کی تنقید آ جاتی ہیں۔ وہاں عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان جو توازن ہے، اس کے پیش نظر ہی کافی سیاسی تدبر کے ساتھ کام کرنا پڑتا ہے۔

س:- عیسائی مشنریوں کے کام کی رفتار کیا ہے!

ج:- عیسائی مشنریز کافی اچھا کام کر رہے ہیں کیونکہ انہیں اس مقصد کے لیے خاصی رقم فراہم کی جاتی ہے جنوبی افریقہ میں بھی عیسائی مشنریز کام کر رہے ہیں۔ ایک مسلمان احمد دیدات وہاں عیسائی مشنری کی طرز پر کام کر رہے ہیں۔ وہ بائبل کے حافظ ہیں۔ میں نے انہیں مشورہ دیا کہ آپ بائبل کے ساتھ ساتھ قرآنی آیات سے بھی کام لیں تو آپ کو کافی کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔ ان کا طریق کار مناظرانہ ہے۔ وہ ایک خاص گروپ میں تو کامیاب ہو سکتے ہیں لیکن دانشوروں میں انہیں زیادہ کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ کام کی رفتار کو تیز کرنے کے لیے مسلمانوں کے مختلف طبقوں کے درمیان تعاون اور ہم آہنگی ضروری ہے۔

س:- وہاں اسلام کے مقابلے میں عیسائیت کو قبول کرنے کا رجحان کم ہوا ہے یا کچھ بڑھا ہے!

ج:- عیسائیت قبول کرنے والے دو قسم کے طبقے ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جو نہایت غریب ہیں، انہیں ہر قسم کا لالچ دے کر عیسائی بنایا جاتا ہے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں۔ جو عیش و عشرت اور اخلاقی اقدار سے آزادی کی خاطر عیسائیت قبول کر لیتے ہیں۔ عیسائیوں کو محض اس بات سے غرض ہے کہ عیسائیوں کی تعداد بڑھ جائے خواہ وہ نام ہی کے عیسائی کیوں نہ ہوں۔ ان کا خیال ہے کہ اس طرح ان کی آبادی کا تناسب تبدیل ہو جائے گا۔ اس کے برعکس ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کوئی شخص مسلمان ہوا ہو اور بعد میں اس نے اسلام ترک کر کے عیسائیت قبول کر لی ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ گوروں یا کالوں میں سے جو شخص بھی مسلمان ہوا ہے وہ کسی لالچ کے سبب نہیں بلکہ شعوری طور پر مسلمان ہوا ہے۔ لہذا یہ فرق واضح طور پر محسوس ہوتا ہے کہ مسلمان ہونے والوں کی تعداد خواہ کم ہو لیکن وہ پکے مسلمان ثابت ہوتے ہیں۔ [illegible] عیسائیت کی تحریک پورے افریقہ میں سرگرم عمل ہے۔ اس کے علاوہ قادیانیت کی تحریک بھی ہے۔

س:- قادیانیوں کے اثرات کہاں کہاں ہیں!

ج:- پورے افریقہ میں ان کے اثرات کم و بیش ہر جگہ ہیں۔ سیرالیون میں بہت ہیں۔ اس کے علاوہ نائیجیریا اور کینیا میں بھی ان کا اثر کافی ہے۔ ان تمام مقامات پر وہ اپنے آپ کو مسلمان کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ ان میں عیسائیوں کی طرح مشنری جذبہ موجود ہے۔ جو مسلمانوں میں مفقود ہے۔

س:- سوڈان بھی افریقہ کا ایک حصہ ہے۔ وہاں نفاذ اسلام کا بڑا چرچا ہے اس سلسلہ میں آپ کے تاثرات کیا ہیں!

ج:- سوڈان میں نفاذ اسلام کی خبر سے میرا ابتدائی تاثر خاصا مشکوک تھا اور یہ یقین کرنا مشکل تھا کہ صدر نمیری میں واقعی کوئی تبدیلی آگئی ہے بلکہ یہ محسوس ہوتا تھا کہ یہ ایک سیاسی کروٹ ہے۔ لیکن وہاں کے کئی لوگوں نے شہادت دی کہ صدر نمیری میں واقعی تبدیلی آچکی ہے۔ سوڈان میں۔۔۔ اخوان المسلمون کا ایک گروپ جعفر نمیری کا حامی ہے۔ جبکہ دوسرا گروپ ان کے ساتھ شریک نہیں ہونا چاہتا۔ مصر اور دیگر قریبی ممالک میں تشویش پائی جاتی ہے کہ نفاذ اسلام کی یہ تحریک ان تک نہ پہنچ جائے۔ اور انہیں کسی قسم کی پریشانی کا سامنا کرنا پڑے۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ سوڈان میں جعفر نمیری نے عوام میں شہرت حاصل کرنے کے لیے اسلام کا نعرہ سیاسی طور پر بلند کیا تھا۔ اور اب یہاں کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ شمالی اور جنوبی سوڈان میں عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان کشمکش کا حل یہی ہے۔ کہ سوڈان میں اسلامی قوانین کا نفاذ عمل میں لایا جائے۔ اس سے کم از کم ایک گروہ یعنی مسلمانوں کی تائید تو حاصل ہو جائے گی۔ اب تک صورتحال تشویشناک ہے لیکن نتیجہ صورتحال۔۔۔

جنوبی افریقہ میں سو فیصد مسلمان سنی ہیں۔

مقامی اور بین الاقوامی دباؤ کے سبب جنوبی افریقہ میں نسلی امتیاز بتدریج ختم ہو رہا ہے

حالات کے جدید واقع ہوں گی۔

س:۔ وہاں نفاذ اسلام کے سلسلہ میں اب تک جو اقدامات ہوئے ہیں ان میں ٹھوس اور قابل ذکر کام کن کن شعبوں میں ہوا؟

ج:۔ میرے خیال میں انہوں نے سب سے بڑا کام یہ کیا ہے کہ دستور اور قوانین میں بڑی تبدیلیاں کی ہیں۔ سود کو ختم کرنے کے سلسلہ میں انہوں نے بڑا قدم اٹھایا ہے ان ٹھوس اقدامات کی وجہ سے انہیں علماء کی بھرپور تائید اور حمایت حاصل ہوئی ہے اگر انہیں اس میں پوری طرح کامیابی ہو گئی تو یہ بہت بڑا کارنامہ ہوگا۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ جعفر نمیری کی اپنے کردار میں بڑی تبدیلی واقع ہوئی ہے۔ پہلے وہ شراب پیتے تھے لیکن اب کہتے ہیں کہ انہوں نے شراب نوشی ترک کر دی ہے۔ نماز کے پابند ہیں یہ تبدیلی ظاہر کرتی ہے کہ ان کا دین کی جانب رجحان بڑھا ہے۔

س:۔ مصر بھی افریقہ ہی کا ایک ملک ہے۔ وہاں آپ کی اطلاع کے مطابق اخوان المسلمون کے کام کی صورتحال کیا ہے؟

ج:۔ افسوس کہ مصر میں اس قسم کا اجتماعی کام اب نہیں ہو سکتا ہے۔ وہاں اجتماعیت کی تحریک کو پنپنے نہیں دیا گیا۔ یہ ایک المیہ ہے کہ اسلام [illegible] مسلم ممالک [illegible]۔ مصر میں اخوان المسلمون کی تحریک کو دبا دیا گیا۔ ان کے نامی رہنماؤں کو پھانسی کی اور دیگر سزائیں دی گئی ہیں۔ سادات صاحب کو اسی سلسلہ میں اپنی جان دینی پڑی۔ میرا خیال ہے کہ حسنی مبارک بھی اسلام کو سیاسی طور پر استعمال کر رہے ہیں۔ ان کی بیگم انگریز ہیں۔ مصر ہو، اردن ہو یا شام ہمیں ان ممالک کے عوام سے نہیں بلکہ قائدین سے شکایت ہے۔ الناس علی دین ملوکہم۔ جس ملک کا سربراہ دیندار ہوگا اس ملک کے لوگ خود بخود دین کی جانب راغب ہوں گے۔ اگر حکمران طبقہ دین کو سیاسی طور پر استعمال کرے گا تو لوگ بھی مذہب کو سیاسی سودے بازی کیلئے استعمال کریں گے۔ مصر میں جامعۃ الازہر جیسا ادارہ ملک کا سیاسی رخ موڑ سکتا تھا لیکن افسوس ہے کہ یہ جامعہ حکومت کی جیب میں اس طرح چلی گئی ہے کہ اب اس سے کوئی امید وابستہ نہیں کی جا سکتی شیخ الازہر کا تقرر ملک کا صدر کرتا ہے اس لئے وہ یا جامعہ کا کوئی اور شخص حکومت کی پالیسی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا۔ صدر سادات جب اسرائیل گئے تو جامعۃ الازہر نے فتویٰ دیا کہ آپ نے بہت اچھا کام کیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہاں دارالاشاعت بھی ایک سرکاری ادارہ ہے اس صورتحال کے نتیجہ میں وہاں فروغ اسلام کی کوششیں انفرادی طور پر تو ہو رہی ہیں لیکن اجتماعی کوششوں کو آگے نہیں بڑھنے دیا گیا۔ لہٰذا ان کا اثر محسوس نہیں ہوتا۔ اخوان المسلمین کے مجلہ دعوۃ پر پابندی لگا دی گئی۔ عمر تلمسانی جیسے ضعیف شخص کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ دوسری جانب مجھے اخوان کے اس گروپ سے بھی شکایت ہے جو یہ سمجھ کر کہ ہم سیاست میں حصہ لے کر اقتدار حاصل کر سکیں گے سراج الدین کی وفد پارٹی میں شامل ہو گیا جس کی وجہ سے اخوان میں کافی انتشار پیدا ہو گیا۔ میرے نزدیک کسی بھی مسلم ملک میں اسلامی تحریک زندہ رہنے کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے ایثار و قربانی کا راستہ اس میں ممکن ہے کہ کچھ جانیں بھی ضائع ہوں لیکن استقلال اور استحکام کے ساتھ کام کرنے کا اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے خواہ اس کے لئے کوئی بھی قربانی دینی پڑے۔

س:۔ اسلامی ممالک میں نفاذ اسلام کے لئے آپ کے خیال میں ترجیحات کی ترتیب کیا ہونی چاہئے، کام کا آغاز کہاں سے ہو اور کس سمت میں سفر کیا جائے؟

ج:۔ اس سلسلہ میں اصولی بات یہ پیش نظر رکھنی چاہئے کہ ظاہری تبدیلیوں سے اسلام کا نفاذ نہیں ہو سکتا مثلاً پاکستان میں ہم نے تمام تر ذمہ داری صدر ضیاء الحق پر ڈال دی ہے کہ آپ ہی اسلام کو نافذ کر دیں جبکہ ہماری اپنی صورتحال یہ ہے کہ ہم خود اپنے گھر کے ماحول کو اسلامی بنانے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ ہم میں سے ہر شخص کو فکری طور پر اس بات کے لئے آمادہ ہونا چاہئے کہ ہم اپنے ماحول کو اسلامی بنانا چاہتے ہیں قرآن کی سورۃ الحدید کی ایک آیت میں فرمایا گیا ہے کہ عدل و انصاف کے قیام کے لئے ہم نے دو چیزیں دی ہیں، ایک "الکتاب اور میزان" ہے۔ دوسری "الحدید" ہے۔ یہ بڑے نکتہ کی بات ہے میرے والد مرحوم علامہ سید سلیمان ندوی نے کہا تھا کہ کتاب و میزان کے ساتھ الحدید کا ذکر بظاہر ایک بے جوڑ سی بات معلوم ہوتی ہے مگر ان دونوں کے درمیان بڑا گہرا ربط ہے اور وہ یہ کہ عدل و انصاف کے قیام کے دو طریقے ہیں اور یہ دونوں طریقے ایک ساتھ کام کریں گے۔ کتاب اور میزان کے ساتھ "لوہا" یعنی قوت کی ضرورت ہے۔ خلفائے راشدین کے دور میں بھی یہ دونوں چیزیں ساتھ ساتھ نظر آتی ہیں ایک کا دوسرے پر حاوی ہونا ناممکن ہے لیکن دونوں کا توازن ضروری ہے گویا کچھ کام ہمیں کرنا ہوگا اور کچھ حکومت کو۔ دونوں کے توازن اور ربط کے ساتھ ہی اسلام نافذ ہو سکتا ہے۔ میرے والد مرحوم نے ایک اور بات کہی تھی کہ اگر آپ ملک کو اسلامی جمہوریہ پاکستان کہہ دیں تو اس سے اسلامی نہیں بن جائے گا۔ اس کے روزمرہ کے [illegible] ہی ملک کو اسلامی بنائیں گے ہمارا اپنا ماحول اسے اسلامی بنائے گا۔ میرا خیال یہ ہے کہ اس قسم کی تحریک حکومت اور عوام دونوں کی سطح پر چلنی چاہیے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اسلامی معاشرے میں پہلے جرائم کے اسباب کو ختم کیا گیا تھا اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص جرم کا مرتکب قرار پایا جاتا تو اسے سزا دی جاتی تھی۔ اس کے برعکس پاکستان میں نفاذ اسلام کا آغاز حدود اور تعزیرات سے کیا گیا جس پر مغربی دنیا نے شدید ردعمل کا اظہار کیا۔ اس صورت میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم کام کا آغاز کہاں سے کریں۔ تعلیم، دستور، عوام کی تربیت اور عدلیہ میں سے کونسا شعبہ ایسا ہے جہاں سے نفاذ اسلام کا عمل شروع کیا جائے؟

ج:۔ تعلیم تو بالکل بنیادی چیز ہے اس کے بغیر تعزیر کے مثبت نتائج نہیں نکل سکتے۔ مثلاً آپ خاندان ہی میں کوئی ایسا ضابطہ نافذ کر دیں جس کے لئے گھر کے نوجوان ذہنی طور پر تیار نہ ہوں تو ممکن ہے کہ خوف کی وجہ سے خاموش ہو جائیں اور اس ضابطہ کو قبول کر لیں لیکن اہل اہمیت اس بات کو حاصل ہوگی کہ وہ اسے ذہنی طور پر بھی تسلیم کرنے کے لئے آمادہ ہوں۔ پاکستان آج جس دور سے گزر رہا ہے اسے آپ مکی زندگی کا دور نہیں کہہ سکتے کیونکہ عقائد اور عبادات کے بارے میں لوگوں کو تمام معلومات حاصل ہیں ہمارا سب سے کمزور پہلو اخلاق و کردار کا ہے میرے خیال میں پاکستان کے مخصوص حالات کے پیش نظر دو سطحوں پر کام کی ضرورت ہے اول ملک میں عوامی سطح پر ایسی جماعتیں ہونی چاہئیں جو مسلمانوں کے ذہنوں میں عقائد، اخلاق اور تزکیۂ نفس کا شعور پیدا کریں، حکومت کی سطح پر تو یہ سلسلہ بھی جاری رہنا چاہئے۔ جہاں تک تعلیم کا تعلق ہے میرا خیال ہے کہ تقریباً تمام مسلم ممالک تعلیمی لحاظ سے مغرب کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہیں۔ چنانچہ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس غلامی سے نجات حاصل کی جائے۔ ایران کے انقلاب سے آپ اتفاق کریں یا اختلاف لیکن انہوں نے ایک اہم قدم یہ اٹھایا کہ اپنے انقلاب کو بچانے اور اسے جاری رکھنے کے لئے اسکول، کالج، یونیورسٹیاں غرض تمام تعلیمی اداروں کو تین سال کے لئے بالکل بند کر دیا اس تین سال کی مدت میں نوجوانوں کو مختلف کاموں میں مصروف کر دیا گیا مثلاً کوئی راشن کارڈ یا شناختی کارڈ تقسیم کر رہا ہے تو کوئی مکانات کی تعمیر میں مصروف ہے اس عرصہ میں حکومت نے اپنے عقائد اور نظریات کے مطابق نصابی کتب لکھوائیں اور پھر درجہ بدرجہ ان کتابوں کو رائج کیا کیونکہ انقلاب لانے والوں کو معلوم تھا کہ پرانے نصاب کے مطابق جو نسل تیار ہوگی وہ ماضی کی طرح ذہنی غلامی میں مبتلا ہوگی۔ اس بڑے مقصد کی خاطر انہوں نے تین سال کا تعلیمی تعطل گوارا کر لیا۔ پاکستان میں اتنے بڑے آپریشن کی ضرورت نہیں لیکن پھر بھی تعلیم اور نصاب تعلیم میں بنیادی تبدیلیوں کی ضرورت ہے تاکہ بچوں کی ذہنی نشوونما اسلام کے مطابق ہو سکے اس مقصد کے لئے طلباء، اساتذہ اور والدین سب کو تعاون کرنا ہوگا۔

س:۔ افریقہ کے بارے میں ٹائن بی نے پیشگوئی کی تھی کہ یہ "مستقبل کا براعظم ہے"۔ کیا وہاں ایسی کوئی علامات ہیں جن سے یہ پیشگوئی پوری ہو سکے ورنہ تو افریقہ میں ہر لحاظ سے پسماندگی کا دور دورہ ہے؟

ج:۔ ٹائن بی نے جب یہ بات کہی تھی اس کے بعد تبدیلی یہ ہوئی ہے کہ اب اگر دنیا کے کسی براعظم کو مسلم براعظم کہا جا سکتا ہے تو وہ افریقہ ہی ہے کیونکہ وہاں مسلمانوں کی آبادی بہت زیادہ ہے لیکن اس براعظم میں اب بھی اتنے قبائل اور ان کے درمیان اس قدر نسلی و علاقائی تعصبات موجود ہیں کہ مستقبل قریب میں ٹائن بی کی پیشگوئی پوری ہوتی نظر نہیں آتی البتہ اگر اس براعظم کے تمام مسلم ممالک ایک پلیٹ فارم پر متحد ہو کر کسی قسم کی دولت مشترکہ بنا لیں تو افریقہ مستقبل کا براعظم ثابت ہو سکتا ہے اس طرح مسلمانوں کی کوئی سیاسی قوت مجتمع ہو گئی تو وہ دوسروں کو اپنی جانب راغب کرنے کا سبب بن سکے گی۔ مسلم ممالک کی تنظیم اسلامی کانفرنس کوئی مؤثر ادارہ ثابت نہیں ہو سکا ہے اس کے بجائے اگر مسلم ممالک کی دولت مشترکہ قائم ہو جائے جس کا کوئی ایک سربراہ ہو اور ان ممالک کی کم از کم دفاعی پالیسی ایک ہو تو دشمن کو کسی بھی مسلمان ملک پر حملہ کرنے سے پہلے یہ خوف لاحق رہے گا کہ اس کی پشت پر کتنی بڑی اجتماعی قوت موجود ہے اجتماعی قوت ہی سے اسلامی ملکوں کے دیگر مسائل بھی حل کئے جا سکتے ہیں۔ (بہ شکریہ تکبیر کراچی) ●●

تعلیم و تربیت پر ایک بہترین کتاب

سماج کی تعلیم و تربیت

مغربی تجربات ● اسلامی تصور

از

مولانا محمد رابع حسنی ندوی
صدر شعبۂ عربی
دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مقدمہ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ

تین سو سے زائد ذیلی عنوانات پر مشتمل یہ کتاب سماج کی تشکیل پر بحث کرتی ہوئی تعلیم و تربیت کی نفسیات کے تمام زاویے روشن کرتی ہے، سماج کی تشکیل اور اس کی تعلیم و تربیت میں مغرب کا جو طرز فکر و عمل رہا ہے اس پر نقد کرتے ہوئے صحیح اسلامی تصور پیش کیا گیا ہے

مزید برآں اصول تعلیم، اصول تربیت، اور اجتماعی زندگی پر اس کے اثرات تعلیم و تربیت میں مساجد کا کردار بیان کرتے ہوئے ذرائع ابلاغ، سماج پر مذہب اور مختلف نظریات کے اثرات، قدیم و جدید سماج کے تقاضوں کے فرق کو واضح کیا گیا ہے، اس کے علاوہ ان تمام عوامل کا ذکر کیا گیا ہے جو کسی نہ کسی شکل میں سماج پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

نہایت دلنشیں اسلوب میں یہ کتاب لکھی گئی ہے ہر فرد کے پڑھنے کے لائق۔

فوٹو آفسیٹ کی بہترین کتابت و طباعت
قیمت: پندرہ ۱۵ روپے

نوٹ: مکتبہ ندوۃ العلماء، مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، کتب خانہ الفرقان کی جملہ مطبوعات انہیں کی شرح پر ہمارے یہاں ملتی ہیں۔

ملنے کا پتہ،
مکتبہ اسلام پوسٹ بکس نمبر ۲۲۵ — ۳۷ گوئن روڈ لکھنؤ ۲۲۶۰۰۸

عالمی بینک کے طرز پر اسلامی بینک کے قیام کا منصوبہ

تنظیم اسلامی کانفرنس کے نو منتخب جنرل سکریٹری شریف الدین پیرزادہ نے کہا کہ عالمی بینک کے طرز پر تمام مسلم ممالک کا اپنا ایک بین الاقوامی بینک قائم کرنے کی کوشش کی جائے گی جو غیر ممالک کو قرضے وغیرہ فراہم کرے گا، انہوں نے یہ باتیں کراچی سے شائع ہونے والے اخبار ہفت روزہ تکبیر کو انٹرویو دیتے ہوئے کہی، انہوں نے مزید کہا کہ اس بینک کا بڑا مقصد اقتصادی ترقی میں غریب ملکوں کی مدد کرنا ہوگا، مسلم ملکوں میں معاشی عدم مساوات کا احساس موجود ہے اور دولت مند ممالک بالخصوص عرب ممالک اپنے غریب مسلمان بھائیوں کی مدد کی خواہش رکھتے ہیں وہ جب غیر مسلم ممالک کو امداد دے سکتے ہیں تو مسلم ممالک کے لئے ان کے دل زیادہ کشادہ ہو سکتے ہیں۔

مسلم دنیا میں بلاسودی بینکاری کے نفاذ میں اسلامی کانفرنس کے کردار سے متعلق جواب میں انہوں نے کہا کہ بلاسودی بینکاری پر بہت سے مسلم ممالک جن میں بعض عرب ممالک بھی پیش پیش ہیں کافی کام ہو رہا ہے، یہ اس کے مزید فروغ کے لئے تجاویز پر غور کریں گے اور کوشش کریں گے کہ مسلم دنیا کے تمام ممالک اسی سلسلہ میں تیز رفتاری کے ساتھ عملی اقدامات کریں تاکہ وہ سود کی لعنت سے جلد از جلد چھٹکارا حاصل کر سکیں، ایک اور سوال کے جواب میں پیرزادہ نے کہا کہ اسلامی کانفرنس رکن ممالک کے درمیان فنی تکنیکی اور صنعتی میدان میں تعاون کے مزید فروغ کے علاوہ اسی بات کو یقینی بنانے کے لئے بھی کوشش کی جائیں گی کہ مسلم دنیا کی افرادی قوت سے مسلم ممالک ہی استفادہ کریں، انہوں نے مسلم دنیا کے اتحاد کے لئے عربی زبان کی اہمیت پر کہا کہ عربی زبان قرآن کی زبان ہے ہمارے تمام دینی ماخذ اسی زبان میں ہیں تمام مسلم ممالک کی مشترکہ زبان ہونی چاہئے، عربی زبان کو لازمی قرار دینے اور مسلم دنیا میں اسی کے فروغ کے لئے اسلامی کانفرنس سے جو کچھ ممکن ہوگا وہ ضرور کرے گا مشترکہ زبان سے ان کے درمیان باہمی اخوت و محبت میں بھی اضافہ ہوگا جناب پیرزادہ نے کہا کہ ہماری خواہش اور دعا ہے کہ ہر شعبۂ زندگی میں مسلم ممالک کے درمیان بھرپور ہم آہنگی اور تعاون کی فضا پیدا ہو۔

دعائے مغفرت

محمد عتیق ندوی کے بڑے بھائی نثار احمد کا ایک حادثہ میں ۶ فروری ۸۴ء کو انتقال ہو گیا "انا للہ وانا الیہ راجعون" مرحوم کے پس ماندگان میں والدین کے علاوہ بیوی اور دو بچیاں ہیں۔

قارئین حضرات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

عورتوں کو دی ہوئی مغربی آزادی حقیقت کے آئینہ میں

سید جلال الدین عمری

تاریخ کے ایک طویل عرصے تک عورت مظلوم چلی آ رہی تھی۔ وہ ہر قوم میں اور ہر خطہ میں مظلوم تھی۔ یونان میں، روم میں، مصر میں، عراق میں، ہند میں، چین میں، عرب میں ہر جگہ اس پر ظلم ہو رہا تھا۔ بازاروں اور میلوں میں اس کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ حیوانوں سے بدتر اس کے ساتھ سلوک کیا جاتا تھا۔ یونان میں ایک عرصہ تک یہ بحث جاری رہی کہ اس کے اندر روح ہے بھی یا نہیں؟ اہل عرب اس کے وجود ہی کو موجب عار سمجھتے تھے۔ بعض شقی القلب اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے، ہندوستان میں شوہر کی چتا پر اس کی بیوہ جل کر راکھ ہو جاتی تھی۔ راہبانہ مذاہب اسے معصیت کا سرچشمہ، گناہ کا دروازہ اور مجسم پاپ سمجھتے تھے۔ اس سے تعلق کو روحانی ترقی کی راہ میں رکاوٹ تصور کیا جاتا تھا۔ دنیا کی بیشتر تہذیبوں میں اس کی کوئی سماجی حیثیت نہیں تھی، وہ حقیر اور ذلیل سمجھی جاتی تھی۔ اس کے معاشی اور سیاسی حقوق نہیں تھے۔ وہ آزاد مرضی سے لین دین اور کوئی مالی تصرف نہیں کر سکتی تھی۔ وہ باپ کی، پھر شوہر کی اور اس کے بعد اپنی نرینہ اولاد کی تابع اور محکوم تھی۔ ان کے اقتدار کو چیلنج کرنے کی اسے اجازت نہ تھی۔ ان کے ظلم و ستم پر اس کی کہیں دادرسی نہ ہوتی تھی۔ اسے فریاد کا بھی حق حاصل نہ تھا۔

اس میں شک نہیں بعض اوقات عورت کے ہاتھ میں زمام اقتدار بھی رہی ہے ایسا بھی ہوا ہے کہ سلطنت اور حکومت اس کے اشاروں پر گردش کرتی رہی ہے۔ یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ خاندان اور قبیلہ پر وہ چھائی ہوئی تھی۔ بعض غیر متمدن قبائل میں عورت کو مرد پر ایک طرح کی بالادستی بھی حاصل رہی ہے۔ اور اب بھی اس طرح کے قبائل موجود ہیں لیکن اس کے باوجود بحیثیت نوع عورت کے حالات میں کچھ زیادہ فرق نہ آیا وہ مظلوم کی مظلوم ہی رہی۔ اس کے حقوق پر دست درازی جاری رہی۔

اسلام نے عورت کو ظلم کے اس گرداب سے نکالا، اس کے ساتھ انصاف کیا، اسے انسانی حقوق دئے، عزت و سربلندی بخشی اور معاشرہ کو اس کا احترام سکھایا۔ لیکن مغرب کی جو قومیں اسلام کے سایۂ رحمت میں نہ آ سکیں وہ اس کے برکات و ثمرات سے محروم رہیں۔ ان میں عورت کے حقوق بدستور پامال ہوتے رہے اور وہ ہر طرح کا ظلم سہتی رہی۔ موجودہ دور میں جب ان قوموں میں اس کا ردعمل ہوا تو عورت کی آزادی اور مساوات کا تصور ابھرا۔ اس کے حق میں دلائل فراہم کیے گئے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ نوعی اختلاف کے باوجود عورت مرد سے فروتر نہیں ہے۔ دونوں ہر لحاظ سے ایک دوسرے کے برابر ہیں ان میں کسی بھی پہلو سے فرق و امتیاز صحیح نہیں ہے۔ وہ ہر کام کر سکتی ہے، ہر عہدہ و منصب کی اہل ہے، وہ ہر طرح آزاد ہے، لہٰذا مرد کی بالادستی اس پر سے ختم ہونی چاہیے اور اسے وہ سارے حقوق ملنے چاہئیں جو مرد کو حاصل ہیں۔

عورت کے لیے یہ بڑا دل خوش کن تصور تھا۔ اس نے لبیک کہا، اسے اس طرح قبول کیا جیسے فردوس گم گشتہ اسے مل گئی ہو۔ وہ اس کے ظاہری حسن پر فریفتہ ہو گئی اور اس کے بطن میں چھپی ہوئی خرابیوں پر غور نہ کر سکی۔ حالانکہ بعض پہلوؤں سے اس کے حق میں مفید تھا تو بعض پہلوؤں سے نقصان دہ بھی تھا۔ اس میں ایک طرف عورت کو مرد کے ظلم سے نجات دلائی گئی تھی تو دوسری طرف اس کی قوت و صلاحیت، مزاج اور نفسیات کی قطعاً کوئی رعایت نہیں کی گئی تھی۔ یہ درحقیقت مرد کے ظلم کے خلاف ایک شدید ردعمل تھا۔ اس میں وہ ساری بے اعتدالیاں موجود تھیں جو اس طرح کے ردعمل میں بالعموم پائی جاتی ہیں۔

عورت کی آزادی کے حق میں سب سے بڑی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ اس کے بغیر اسے معاشی ترقی اور استحکام حاصل نہیں ہو سکتا۔ وہ ہمیشہ مرد کی دست نگر رہے گی اور سماج میں فروتر سمجھی جائے گی۔ اس لیے یہ اس کا ایک فطری حق ہے کہ وہ اپنی معاشی حیثیت کو مضبوط و مستحکم کرنے کے لیے آزادی سے دوڑ دھوپ کرے، صنعت و حرفت، تجارت و زراعت اور ملکی انتظام و انصرام میں مرد کی طرح حصہ لے۔ اس کے نتیجہ میں عورت اور مرد کے کام کے دائرے جو الگ تھے ایک ہو گئے اور عورت معاش کے میدان میں مرد کے ساتھ تگ و دو میں مصروف ہو گئی۔

یہاں اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا گیا کہ عورت ایک کمزور اور نازک صنف ہے۔ وہ سخت اور محنت طلب کام انجام نہیں دے سکتی۔ اس پر ان کاموں کا بوجھ ڈالنا بہت بڑی زیادتی ہوگی جن کے اٹھانے کے لیے وہ جسمانی اور دماغی لحاظ سے کسی طرح فٹ نہیں ہے۔ وہ جب تک جوان رہتی ہے، حمل، رضاعت، حیض اور نفاس کی تکلیفیں اسے برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ اس سے اس کی صحت غیر معمولی طور پر متاثر ہوتی ہے اور اس کی قوت کار گھٹ جاتی ہے۔ ان مراحل سے پوری جوانی میں اسے گزرنا پڑتا ہے۔ یہ مراحل جب طے ہوتے ہیں تو وہ جوانی سے بڑھاپے میں داخل ہو جاتی ہے اور اس کی قوتیں کمزور پڑنے لگتی ہیں۔ موجودہ دور اس معاملہ میں عجیب تضاد کا شکار ہے، وہ زبان سے تو اسے ہر کام کا اہل قرار دیتا ہے لیکن عمل کی دنیا میں اسے صنف نازک ان کو معاملہ کرتا ہے۔ ہلکے پھلکے کام تو اس سے لیے جاتے ہیں اور پیچیدہ اور دقت طلب کاموں کے لیے اسے مناسب تصور نہیں کیا جاتا چنانچہ آج وہ زیادہ سے زیادہ کہیں سودا فروش (SALES WOMAN) ہے، کہیں کلرک ہے، کسی کی سکریٹری ہے، کسی جگہ ٹائپسٹ ہے، بہت ترقی کی تو ٹیچر ہے، نرس ہے، ڈاکٹر ہے۔ اس کے برخلاف فوج میں اس کا وجود نہیں ہے، بھاری مشینیں اس کے حوالہ نہیں کی جاتیں، پرخطر مہمات کے لیے اس کا انتخاب نہیں ہوتا۔ وہ پائلٹ اور کپتان نہیں ہے بھاری گاڑیاں وہ نہیں چلاتی، حتیٰ کہ نازک آپریشن کے لیے بھی مرد کی تلاش ہوتی ہے اس کی قوت کار مرد کے مقابلہ میں کم سمجھی جاتی ہے۔ اس لیے کم از کم پرائیوٹ اداروں میں اس کی تنخواہ مرد سے کم ہوتی ہے۔ یہ حال ان ممالک کا بھی ہے جہاں ایک ہی کام کے لیے عورت اور مرد کی تنخواہ میں فرق کرنا قانوناً جرم ہے۔

کہا جا سکتا ہے کہ اس سب کے باوجود عورت کی معاشی حالت پہلے سے بہتر ہے اور وہ خود کفالت اور معاشی استحکام کی طرف بڑھ رہی ہے۔ یہ بات صحیح ہے لیکن اس کے لیے اسے بڑی قربانیاں دینی پڑی ہیں۔

۱۔ اس کے لیے اسے اپنی قدر و قیمت گھٹانی پڑی اور اپنا احترام اور وقار کھو کر مرد کے لیے حصول دولت کا ایک سستا ذریعہ بننا پڑا۔ آج تجارت اور صنعت و حرفت پر مرد کا قبضہ ہے۔ بڑے بڑے کارخانے اور فیکٹریاں اسی کے ہاتھ میں ہیں بازار اور منڈی اسی کی ہے، حتیٰ کہ بڑے بڑے ہوٹل، کلب گھر اور سنیما کا مالک وہی ہے۔ اس طرح سارے وسائل دولت اس کے پاس ہیں اور عورت اس کے پھیلے ہوئے کاروبار کو فروغ دینے کا محض ایک ذریعہ ہے۔ مرد اپنی تجارت کو بڑھانے اور اپنی مصنوعات کی پبلسٹی کے لیے اسے استعمال کر رہا ہے۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ ہر ارزاں و گراں چیز ہو یا دو پیسے کی عورت کی پرکشش اور دل لبھانے والی تصویر اس پر ضرور موجود ہوگی۔ بات صرف اشتہار کی حد تک نہیں رکی بلکہ عورت کو کھلے بازار میں اس لیے بٹھایا گیا کہ وہ اپنی ناز و ادا سے مرد کی تیار کردہ مصنوعات کو فروخت کرے اس کے قائم کردہ ہوٹلوں اور کلبوں میں مہمانوں کا استقبال، خاطر تواضع اور خدمت کرے اس کے سنیما ہالوں میں تھرک تھرک کر اپنے جسم کے پیچ و خم کی نمائش کرے اور اس کے لیے وقت ضرورت نیم عریاں ہی نہیں پوری طرح برہنہ ہو جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ عورت اپنی معاش کی خاطر شاید اس طرح کبھی ذلیل اور رسوا نہ ہوئی ہوگی۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے مرد و عورت کے درمیان جذبہ محبت رکھا ہے۔ موجودہ دور میں یہ جذبہ ختم ہو گیا اور اس کی جگہ حریفانہ جذبات پرورش پانے لگے۔ تجارت، زراعت، صنعت و حرفت اور ملازمت میں دونوں کا مقابلہ ہونے لگا اور ہر ایک نے دوسرے کو پیچھے ہٹانے اور خود آگے بڑھنے کی کوشش شروع کر دی۔ لیکن یہ ایک طاقتور صنف اور ایک کمزور صنف کا مقابلہ تھا، مرد اپنی قوت و صلاحیت کی وجہ سے آگے رہا اور عورت اس کے مقابلہ میں کامیاب نہ ہو سکی۔ چنانچہ زمانہ قدیم کی طرح آج بھی قوموں کی قیادت و سیادت مرد ہی کے ہاتھ میں ہے، اہم عہدوں اور مناصب پر اسی کا قبضہ ہے زندگی کے سارے شعبوں پر وہی چھایا ہوا ہے۔ عورت اس سے آگے کیا نکلتی اس کی ہمسری کا بھی دعویٰ نہیں کر سکتی۔ چند شاذ و نادر مثالوں سے اس کی تردید نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ اس طرح کی مثالیں ہر دور میں مل جاتی ہیں، دور حاضر ہی کے ساتھ یہ مخصوص نہیں ہیں۔

۳۔ عورت کی تگ و دو صرف معاشی میدان ہی میں نہیں رہی بلکہ آہستہ آہستہ معاشرتی، سماجی اور تہذیبی امور میں بھی وہ مرد کی شریک ہو گئی۔ وہ کارخانوں، دفتروں اور کالجوں میں مرد کے شانہ بشانہ معاشی جد و جہد کر رہی تھی تو پارکوں، کلبوں، سنیما گھروں اور تفریح گاہوں میں اس کے ساتھ کھیل کود اور تفریح میں بھی حصہ لے رہی تھی۔ اس کا وجود ہر شعبہ حیات میں ضروری قرار پایا اور اس کے بغیر زندگی بے کیف اور بے لطف تصور کی جانے لگی۔ اس سے اختلاط مرد و زن بڑھا، بدکاری عام ہوئی اور ایک ایسی ننگی اور بے حیا تہذیب نے جنم لیا کہ اس کی عفونت اور بدبو سے اخلاق کا چمن اجڑ گیا اور شرم و حیا اور شرافت کا دم گھٹ کر رہ گیا۔

تاریخ کا تجربہ ہے کہ جب بھی عورت گھر سے نکل کر شمع انجمن بنی اور جلسوں اور محفلوں کی رونق بڑھانے لگی تو جنسی آوارگی پھیلی جو گندگی بند کمروں میں برداشت نہیں کی جا سکتی وہ بازاروں اور سڑکوں میں پھیلنے لگی۔ انتہائی قابل احترام اور پاکیزہ رشتے بھی اس سے محفوظ نہیں رہے۔ عام انسانوں کا ذکر کیا ان کے دیوی دیوتا تک بدکاریوں میں ملوث پائے گئے اور ان کی طرف ایسی ایسی داستانیں منسوب کی جانے لگیں کہ آدمی شرم سے پانی پانی ہو جائے۔ بیسواؤں اور رنڈیوں کو وہ مقام حاصل ہوا جس سے شریف عورتیں تک محروم تھیں۔ آرٹ اور کلچر نے جنسی جذبات کی ترجمانی

ہونے لگی، عریاں تصویریں کھنچیں، ننگے گیت گائے گئے، رقص و موسیقی کے نام پر عورت سے لذت حاصل کی گئی، افسانہ، ڈرامہ، شاعری اور ادب کے ذریعہ جنسی اعمال و کیفیات کی تشریح ہونے لگی، عورت مرد کے ہاتھ میں کھلونا بن گئی اور اس کا مقصد صرف یہ رہ گیا کہ مرد کی جنسی خواہش کی تکمیل کرے غرض پوری تہذیب جنس کی ترجمان بن گئی اور اسی کے ارد گرد گھومنے لگی، جنسی جذبات کی اسی حکمرانی نے یونان، روم، مصر اور دوسری بہت سی قدیم تہذیبوں کو تباہ و برباد کردیا۔ تہذیب نو بھی اسی راستہ کی طرف بڑھ رہی ہے۔ شاید وہ وقت قریب آگیا ہے جب کہ یہ قصر منہدم ہو جائے اور ایک نئی تہذیب وجود میں آئے۔

یہ خاندانی نظام عورت کی وجہ سے قائم تھا۔ اس کے اندرونی نظم و نسق کو وہ سنبھالے ہوئے تھی عورت کی تگ و دو جب گھر سے باہر ہونے لگی اور بیرونی مصروفیات نے اس کے اوقات کو گھیر لیا تو خاندان کا نظم بکھر گیا [illegible] نے جو کچھ حاصل کیا اس کی قیمت گھر کی بربادی کی شکل میں اسے ادا کرنی پڑی خاندان معاشرہ کا بنیادی پتھر ہے۔ جب یہ اپنی جگہ سے ہٹا تو پورا معاشرہ درہم برہم ہوگیا۔ عورت مرد کے لیے وجہ سکون تھی اب نہیں رہی، ان کے درمیان وہ محبت نہیں رہی جس کی وجہ سے زندگی کے نشیب و فراز میں وہ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے۔ والدین اور اولاد کا مضبوط رشتہ کمزور پڑ گیا، اولاد کے لیے والدین مرکز محبت ہوتے ہیں، یہ مرکز ان سے چھن گیا اور وہ نرسنگ ہاؤس کے حوالے ہوگئے، والدین کے بڑھاپے کا سہارا ان کی اولاد ہوتی ہے۔ یہ سہارا ٹوٹ گیا، اور وہ انتہائی بے بسی اور کسمپرسی کی حالت میں زندگی گزارنے پر مجبور ہوگئے، یہی نہیں وہ سارے تعلقات جو خاندان کی بقا کے ساتھ وابستہ تھے اس کے ٹوٹتے ہی ختم ہوتے چلے گئے اور انسان اس سکون سے محروم ہوگیا جو صرف خاندان ہی فراہم کرسکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ عورت کی آمدنی کیا اتنی قیمتی ہے کہ اس کے لیے وہ اور پورا معاشرہ اتنا بڑا نقصان برداشت کرے؟

اسلام نے عورت کے بارے میں غلط تصورات کی تردید کی اور ایک معتدل اور متوازن فکر پیش کیا ہے اس سے مغرب کے موجودہ مساوات مرد و زن کے نظریہ کی اصلاح ہوسکتی ہے۔ لیکن افسوس کہ یہ کام جس طرح ہونا چاہئے نہیں ہوسکا اس کے ماننے والوں کی ایک بڑی تعداد مختلف اسباب کی بنا پر مغرب کے ہر فلسفہ کو مرعوبیت کے ساتھ قبول کرتی چلی گئی۔ وہ مغرب کے نظریہ مساوات مرد و زن کی اصلاح کیا کرتے اسلام کی تعلیمات ہی میں انھیں خامیاں نظر آنے لگیں، بعض نے کھل کر ان تعلیمات ہی کو ناموزوں قرار دے دیا اور بعض نے تاویل و توجیہ کے ذریعہ اس کی صورت مسخ کردی۔

اسلام ایک مضبوط اور پائیدار خاندان کو معاشرہ کی بقا کے لیے ضروری سمجھتا ہے۔ اس کا ایک پورا انتظام اس نے قائم کیا ہے، اس کی تفصیلات بتائی ہیں اور حدود و ضوابط متعین کیے ہیں۔ وہ اس بات کی شدت سے تاکید کرتا ہے کہ اس نظام کو جوں کا توں باقی رکھا جائے اور اللہ کے قائم کردہ حدود نہ توڑے جائیں۔ اس نظام میں عورت کی بنیادی اہمیت ہے۔ اس کے حقوق بھی ہیں اور فرائض بھی اگر وہ اس سے کنارہ کش ہو جائے اور یکسوئی کے ساتھ اس کی ذمہ داریاں ادا نہ کرے تو یہ نظام بکھر کر رہ جائے گا۔ وہ اسی وقت باقی رہ سکتا ہے جب کہ عورت اسے اپنی سعی و جہد اور توجہ کا مرکز بنائے رکھے۔

اسلام معاش کی اہمیت کو تسلیم کرتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ عورت معاشی لحاظ سے کمزور نہ ہو بلکہ اس کی معاشی حیثیت مستحکم رہے۔ اس کے ساتھ وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ وہ یکسوئی کے ساتھ خاندانی فرائض انجام دیتی رہے اور معاشی مصروفیت کی وجہ سے وہ ان سے بے رخی یا غفلت برتنے پر مجبور نہ ہو جائے۔ اس کے لیے اس نے حسب ذیل تدابیر اختیار کی ہیں۔

۱۔ عورت پر کوئی معاشی ذمہ داری نہیں ڈالی۔ صرف یہی نہیں کہ اس پر اپنی اولاد، ماں باپ یا کسی قریب سے قریب رشتہ دار کی معاش کا بوجھ نہیں ہے بلکہ خود اس کی معاشی ذمہ داری بچپن میں اس کا باپ اٹھاتا ہے۔ شادی کے بعد یہ ذمہ داری شوہر پر عائد ہوتی ہے اور شوہر کے انتقال یا اس سے علحدگی کے بعد اولاد اس کے معاش کی ذمہ دار ہوتی ہے اولاد اس قابل نہ ہو تو باپ یا دوسرے محرم کو اس کی کفالت کا بوجھ اٹھانا پڑتا ہے۔

۲۔ اسے وراثت کا حق دیا۔ ماں باپ، شوہر اور اولاد کے مال میں اسے یہ حق لازماً ملتا ہے۔ بعض اوقات بھائی بہن کے مال میں بھی وہ وراثت کی حقدار ہوتی ہے۔ اسی طرح شوہر کی طرف سے اسے مہر ملتا ہے۔ وہ ان زیورات اور تحفے تحائف کی بھی مالک ہوتی ہے جو شادی یا خوشی کے دیگر مواقع پر اسے دیئے جاتے ہیں یہ سب کچھ اس کا محفوظ سرمایہ ہے۔

۳۔ اس محفوظ سرمایہ کو عورت خاندانی ذمہ داریوں کو ادا کرتے ہوئے اسلامی حدود کے اندر تمام نفع بخش کاموں میں لگا سکتی ہے۔ اس سے ہونے والی آمدنی پوری کی پوری اسی کی ہے۔ اس کا دعویٰ کوئی دوسرا نہیں کرسکتا۔

ان ذرائع سے عورت کی آمدنی میں مستقل اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اس پر کوئی معاشی ذمہ داری نہ ہونے کی وجہ سے اس کی پوری آمدنی محفوظ ہوتی چلی جاتی ہے جب کہ مرد پر گوناگوں معاشی ذمہ داریاں ہیں وہ جو کچھ کماتا ہے اس کا بڑا حصہ ان ذمہ داریوں کے ادا کرنے پر اسے خرچ کرنا پڑتا ہے۔

اس طرح اسلام کے خاندانی نظام میں معاشی جدوجہد کے لیے عورت گھر چھوڑنے اور اس کی ذمہ داریوں کو بالائے طاق رکھنے پر مجبور نہیں ہوتی اور اس سے وہ سماجی اور اخلاقی خرابیاں بھی نہیں پیدا ہوتیں جو عورت اور مرد کے ایک ساتھ مل کر معاشی دوڑ دھوپ کرنے سے پیدا ہوتی ہیں۔

آخری بات یہ کہ مرد نے عورت پر بے شک بڑی زیادتیاں کی ہیں لیکن اس کے ساتھ اس کے اندر عورت سے محبت کا ایک فطری جذبہ بھی ہے۔ اسلام اس جذبہ کو ابھارتا اور نشوونما دیتا ہے۔ وہ اس بات کی ترغیب دیتا ہے کہ عورت کے قانونی حقوق ہی ادا نہ کیے جائیں بلکہ اس کے ساتھ ہمدردی کا رویہ اختیار کیا جائے وہ حسن سلوک کی مستحق ہے لہٰذا اس کے ساتھ حسن سلوک ہونا ہی چاہیے۔ اس جذبہ کی عورت اور مرد کے تعلقات میں اساسی اہمیت ہے۔ موجودہ دور میں عورت اور مرد کے درمیان حقوق کی جنگ نے اس جذبہ کو مجروح اور نیم جان کردیا ہے اور کبھی کبھی تو یہ احساس ہوتا ہے کہ شاید وہ دم توڑ چکا ہے۔ اس سے عورت کا بڑا نقصان ہوا۔ اس لیے کہ صرف قانون چاہے وہ آب زر سے کیوں نہ لکھ دیا جائے اس کے مسائل حل نہیں کرسکتا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ عورت اور مرد کے درمیان مساوات کا دعویٰ تو کیا جاتا ہے لیکن عملاً مساوات برتی نہیں جاتی، قانون نے اسے جو سیاسی سماجی اور معاشرتی حقوق دیے ہیں ان سے وہ پوری طرح بہرہ یاب نہیں ہے اور کہیں کہیں تو اس پر ظلم و زیادتی آخری حد کو پہونچ چکی ہے، مرد کی خواہشات کی تکمیل کے لیے اس کی باقاعدہ خرید و فروخت ہو رہی ہے، اس کی جان و مال پر حملے ہو رہے ہیں اور اس کی عصمت و آبرو بھی بے دریغ لوٹی جا رہی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے قدم قدم پر نت نئے حملوں کا دفاع کرنا بھی اسے دشوار ہو رہا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی کمزور کے حقوق تسلیم کر بھی لیے جائیں تو ان سب کا اسے ملنا آسان نہیں ہے۔ عورت لڑ کر یہ حقوق مرد سے حاصل نہیں کرسکتی۔ وہ اسے صرف اسی صورت میں مل سکتے ہیں جب کہ مرد انھیں دینا چاہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کے اندر ہمدردی اور محبت کا جذبہ ہو اور وہ عورت کے ساتھ زیادتی کو جرم اور گناہ سمجھے۔ اسلام نے اسی معاملہ میں بے نظیر کامیابی حاصل کی ہے۔ تاریخ کے اس تجربہ کو جب بھی دہرایا جائے گا معاشرہ میں ایک بار پھر وہی بہار آئے گی جسے دنیا اس سے پہلے دیکھ چکی ہے۔

بقیہ ص ۱۳ ... سے آگے

تعزیت کے لیے آئے اور بہت سوں نے تعزیتی خط لکھے۔ ڈاکٹر سید مسعود اشرف (پروفیسر سرجری میڈیکل کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کا بھی تعزیت کا خط میرے نام آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائیں.....

۱۸ر شوال ۱۴۰۲ھ (۱۰ر جولائی ۱۹۸۲ء) کو میری بچی مریم سلمہا کی تقریب شادی تھی اس میں ظہور میاں نہ صرف شریک تھے بلکہ گواہ بنے معمول کے مطابق خاموش مگر خوش و خرم، مجھ سے کئی بار اپنی مسرت کا اظہار کیا کہ خدا تعالیٰ نے اس فریضہ سے بخیر و خوبی سبکدوش فرمایا، انگلی میں تکلیف تھی دریافت کرنے پر بتایا کہ خود بخود پک گئی ہے کوئی چوٹ وغیرہ نہیں لگی۔

اتفاق کہ اہلیہ بچی کے ہمراہ علی گڑھ جا رہی تھیں پروگرام کے مطابق وہاں سے دہلی ٹھہر کر لکھنؤ واپس ہونا تھا چار باغ ریلوے اسٹیشن روانہ ہوتے وقت اس کار کے قریب آئے جس میں ان کی اہلیہ سوار تھیں، ان کو مخاطب کرکے کہا کہ دہلی زیادہ نہ ٹھہرنا جلدی چلی آنا۔ جملہ سے کسی تشویش یا شین کیفیت کا اندازہ نہیں ہوتا تھا، مگر ہر لفظ کے نشیب و فراز سے محسوس ضرور ہوا کہ اس نقاہت کی نوعیت کچھ اور ہے لیکن اس کم فہمی اور ذہن کی بے پایاں مشغولیت نے اس جانب توجہ نہ ہونے دی۔

ظہور میاں اس تقریب کے بعد اپنے گھر اندرا نگر واپس نہیں گئے بلکہ اپنے برادر خورد حافظ سید ظفر الحسن استاد درجہ حفظ دار العلوم ندوۃ العلماء کی رہائش گاہ ندوہ ہی میں قیام کیا۔ ظفر الحسن ان کی ہمراہ ہوں نے بڑی محبت ایثار و اخلاق کے ساتھ خدمت کی ہر جگہ اور ہر ڈاکٹر کے یہاں ظفر الحسن ساتھ رہے علاج اور دوا کا پورا اہتمام کیا انگلی کی تکلیف جب زیادہ بڑھی تو ایک ڈاکٹر سے آپریشن کرا دیا خون بہت بہا۔ تکلیف میں اضافہ ہوتا گیا۔ ضعف اور الجھن زیادہ ہوگئی ظفر الحسن میاں اور ظہور مرحوم کی بیوی بچوں نے (ان لوگوں کو ندوے کے احاطہ میں مکان مل گیا تھا ان کی وفات سے چند روز پہلے اس میں منتقل ہوگئے تھے) دیکھ ریکھ اور تیمارداری کی جانب توجہ زیادہ شروع کردی۔ ظفر الحسن روزانہ ساتھ لیجا کر مرہم پٹی کراتے گھر لاتے دوا دیتے مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی تکلیف اور بے چینی بڑھتی گئی ظفر الحسن نے اپنے بڑے چچا مولانا مرتضیٰ صاحب کو اطلاع دی چنانچہ سب کے مشورے سے ڈاکٹر رضوی اور ڈاکٹر آہوجہ کو دکھایا گیا۔ ان دونوں ڈاکٹروں نے کینسر کا شبہ ظاہر کیا خون وغیرہ کے ٹسٹ کے بعد شبہ یقین میں بدل گیا۔ برادر معظم مولانا مرتضیٰ صاحب نے اپنے گرامی نامہ مورخہ ۱۰ر ذی قعدہ ۱۴۰۲ھ مطابق ۳۰ر اگست ۱۹۸۲ء میں اس کی تفصیل یوں بیان کی ہے۔

تمہارے جانے کے بعد عزیزی ظہور کی طبیعت برابر خراب رہی، تمہارے سامنے انگلی میں زخم تھا اس کی تکلیف بتاتے رہے بخار بھی ہو جاتا تھا، خیال یہی رہا کہ انگلی کی تکلیف ہے لیکن ان کا ضعف بڑھتا رہا گزشتہ جمعرات کو مجھے زیادہ احساس ہوا اور جمعہ کو ڈاکٹر رضوی کو دکھایا گیا انھوں نے تشویش کا اظہار کیا دوسرے دن ایک مشہور معالج ڈاکٹر آہوجہ صاحب سے خود ڈاکٹر رضوی صاحب نے رابطہ قائم کیا اس نے یہاں آکر دیکھا اور کینسر تجویز کرکے فوراً خون وغیرہ کے ٹسٹ کی تاکید کی، سید صاحب (حافظ ظفر الحسن) نیچے (محمد اسامہ) تینوں نے دوڑ دھوپ شروع کی اور پرسوں ۷ر ذی قعدہ ۲۵ر اگست کی دوپہر کو سب رپورٹیں ملیں اور معلوم ہوا کہ بلڈ کینسر ہے، فوراً میڈیکل کالج میں داخل کیا گیا، ۲ بجے دن سے آخر رات تک گیارہ بارہ سو کی دوائیں انجکشن وغیرہ خرید کر استعمال ہوئے لیکن صبح صادق ہوتے ہی جب لکھنؤ کی مسجدوں میں فجر کی اذان ہو رہی تھی وہ رب اعلیٰ سے جا ملے یعنی کل جمعرات ۸ر ذی قعدہ ۱۴۰۲ھ ۲۶ر اگست ۱۹۸۲ء کی صبح صادق کے وقت رخصت ہوگئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کیا کیا جائے بالکل اچانک اور غیر متوقع طور پر یہ حادثہ ہوگیا، ہم لوگوں سے ظہور بہت مانوس تھے اور ہم سب بھی ان سے اسی طرح مانوس رہے اللہ تعالیٰ ان کے پسماندگان پر رحم فرمائیں اور ہر طرح اپنے انعامات سے سرفراز فرمائیں اچانک بڑا خلا ہوگیا اور فضا بڑی سوگوار ہے، تدفین کل ۱۱ بجے دن میں دار العلوم کے علماء و صلحاء، طلباء اور اعزہ کے ساتھ ڈالی گنج کے قبرستان میں ہوئی۔

خدائے برتر و اعلیٰ کا حکم آگیا مرنا سبھی کو ہے۔ کل نفس ذائقۃ الموت۔ للہ ما اعطیٰ ولہ ما اخذ وکل شئی عندہ باجل مسمی،

ظہور میاں کی ابھی عمر ہی کیا تھی، ان کے سامنے ذمہ داریاں بھی بہت تھیں اس لیے دل یہی کہتا ہے۔

ابھی مرنا نہ تھا ظہور احمد
کوئی دن اور بھی جیے ہوتے

(مولانا محمد علی جوہر مرحوم کے شعر میں نام کی ترمیم کے ساتھ)

لیکن وحدہٗ لاشریک کا حکم اور اس کا فیصلہ اٹل ہے اور اس کی مصلحت ہر مصلحت اور ہر خواہش پر مقدم ہے ہم راضی برضا ہیں۔

ان کے چچا مولانا مرتضیٰ صاحب، چچازاد بھائی سید واسامہ اور گھر کے افراد ان کے دونوں صاحبزادے جعفر علی و حسین علی اور عزیز بھائی ظفر الحسن نے چند روزہ بیماری میں دن و رات ایک کرکے تیمارداری اور خدمت کا حق ادا کردیا، مگر آچکا تھا ظہور میاں نے ۱۹ر اگست ۱۹۸۲ء جمعرات کی صبح فجر کے وقت جان عزیز جان آفریں کے سپرد کردی! انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جنازہ مشفق و ناز بردار چچا مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحب کے دولت کدہ سے قبرستان ڈالی گنج تک دار العلوم ندوۃ العلماء کے محترم اساتذہ عزیز طلباء اور محب اقرباء کے کاندھوں پر روانہ ہوا تمام رہین کرام، اسی شخص کا جنازہ ہے جو اپنی شادی کی بارات میں دو افراد کے ہمراہ پیدل گیا تھا آج وہ اپنی آخری بارات میں سیکڑوں علماء، حفاظ اور صالحین کے مبارک ہاتھوں پر اپنی آخری منزل کی جانب روانہ ہے کیا عجب کہ ان کی برکت سے وہ غم زدہ اور تڑپتا ہوا دل آج دائمی و ابدی فرحت و مسرت حاصل کرتا ہوا اپنی آخری آرام گاہ میں سکون و آرام کی نیند سو جائے۔

مخلص و وفا شعار بندہ اپنے خالق حقیقی سے جاملا۔ توقع ہے کہ روح شاداں و فرحاں اپنی منزل سے جا لگی لیکن اس نے اپنے پیچھے کتنے تڑپتے ہوئے دل رنجیدہ و دکھیں، افسردہ چہرے، مرجھائے ہوئے پھول اور ان کھلی کلیاں چھوڑ گیا، جنھوں نے اسے اشک آلود نگاہوں، لرزتے ہاتھوں اور لڑکھڑاتے قدموں سے رخصت کیا۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

عالم اسلام

محمود الازہار ندوی

قرآن کریم دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی اور یاد رکھی جانے والی کتاب ہے

پاکستان کے جنرل مجیب الرحمٰن نے عوام پر زور دیا ہے کہ وہ اپنی زندگیوں کو مکمل طور پر قرآنی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالیں کیونکہ اسلامی تعلیمات ہی ہر شعبہ حیات میں کامرانیوں کی ضمانت فراہم کرتی ہیں انہوں نے کہا کہ ہمیں قرآن کریم کی قرات اور تلاوت کے ساتھ ساتھ قرآن فہمی اور قرآنی اصولوں پر عمل کرنے کی بھی پوری کوشش کرنی چاہئے قرآن حکیم ایک ایسی جامع کتاب ہے جو ہر شعبہ زندگی سے متعلق مسائل کا حل پیش کرتی ہے قرآن حکیم ہی وہ واحد کتاب ہے جو دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جاتی ہے اور یہی وہ مقدس اور بابرکت کتاب ہے جو سب سے زیادہ ذہنوں میں محفوظ اور یاد رکھی جاتی ہے اور قرآن ایک منصفانہ اقتصادی و معاشرتی نظام فراہم کرتا ہے۔

سعودی عرب نے ۱۹۸۴ء میں یوروپی اقتصادی برادری کو ۱۰ ارب ڈالر کا مال برآمد کیا

سعودی عرب نے یوروپی اقتصادی برادری کو ۱۹۸۴ء میں دس ارب ڈالر مالیت کی برآمدات کیں، جب کہ اس کے مقابلہ میں یورپی اقتصادی برادری نے سعودی عرب کو بیس ملین ڈالر کی برآمدات کیں، سعودی عرب کی بنیادی صنعتوں کے ادارے (سیبک) نے اپنی رپورٹ میں بتایا ہے کہ سعودی عرب کو یورپی اقتصادی برادری کی جانب سے کی جانے والی ۵۰ رفیصدی برآمدات پر کوئی محصول نہیں ہے اور بقایا ۲۵ رفیصد ڈیوٹی ادا کرنا پڑتی ہے

دو اسلامی ملکوں میں انتخابات

ماہ رواں کے آخری عشرہ میں دو مسلم ممالک میں انتخابات ہو رہے ہیں اس میں ایک کویت ہے جہاں ۲۰ر فروری کو انتخابات ہوں گے، اس کا اعلان کویت کے ولی عہد اور وزیر اعظم سعد عبداللہ الصباح نے کیا، کویت کی قومی اسمبلی کے انتخابات مقررہ وقت سے تین دن قبل ہونگے اس میں ۵۰ نشستوں کے لئے ۲۶۵ امیدوار میدان میں ہیں،

اسی طرح پڑوسی ملک پاکستان میں قومی اور صوبائی اسمبلی کے انتخابات ۲۵ اور ۲۸ر فروری کو ہوں گے، پاکستان میں یہ انتخابات ۱۹۷۷ء کے بعد سے پہلی مرتبہ غیر جماعتی بنیاد پر ہوں گے۔

ہندوستان پاکستان کو خام لوہا برآمد کرے گا

ہندوستان آئندہ مالی سال میں پاکستان کو تین لاکھ ٹن خام لوہا فروخت کریگا اس سلسلہ میں ہندوستان کی مائنز اینڈ منیلس ٹریڈنگ کارپوریشن اور پاکستان کی اسٹیل ملز کے درمیان پہلے ہی معاہدہ ہوچکا ہے واضح رہے کہ رواں مالی سال میں ہندوستان پاکستان کو ۲ر۳ لاکھ ٹن خام لوہا برآمد کررہا ہے جس میں سے تین چوتھائی حصہ برآمد کیا جاچکا ہے اور باقی آئندہ دو مہینوں میں بھیج دیا جائے گا، اس کے علاوہ رواں مالی سال میں ہندوستان ایم، ایچ، ٹی کارپوریشن کی طرف سے پاکستانیوں کو تیس ہزار ٹن مینگنیز برآمد کئے جانے کا امکان ہے۔

فرانس مصر کو ۲۰ میراج ۲۰۰۰ طیارے فراہم کرے گا۔

فرانس اس سال کے آخر تک ۲۰ میراج ۲۰۰۰ لڑاکا بمبار طیارے مصر کے حوالے کردیگا، یہ بات مصری نائب وزیر اعظم اور وزیر دفاع عبدالحلیم غزالہ نے بتائی، فرانس سے باہر کے ملکوں میں مصر یہ طیارے حاصل کرنے والا پہلا ملک ہوگا، یقین کیا جاتا ہے کہ مزید طیاروں کے لئے اختیار مل گیا ہے مارشل غزالہ نے کہا کہ ہمارے ارد گرد فوجی طاقت میں زبردست اضافہ اس بات کا متقاضی ہے کہ متوازن فوجی صورتحال رکھی جائے تاکہ مستقبل میں کوئی خطرہ لاحق نہ ہوسکے انہوں نے کہا کہ مصر نے کبھی کسی ملک کو دھمکی نہیں دی، لیکن ایسا علاقے کے دوسرے ملکوں کے بارے میں نہیں کہا جاسکتا، انہوں نے کہا کہ میری حکومت کو ابھی بھاری لڑاکا ہیلی کاپٹروں کی فرانس سے خریداری سے متعلق حتمی فیصلہ کرنا ہوگا۔

سعودی عرب میں جرائم کی شرح دنیا بھر میں سب سے کم

سعودی عرب میں زبردست اضافہ اور مختلف شعبوں میں ترقی ہو جانے کے باوجود جرائم کی شرح دنیا بھر میں سب سے کم ہے، یہ بات نائب وزیر داخلہ شہزادہ احمد بن عبدالعزیز نے بتائی، انہوں نے یہ باتیں جرائم سے نمٹنے کے لئے تحقیق کے موضوع پر منعقد ہونے والی ایک کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہیں، شہزادہ احمد نے وضاحت کی کہ سعودی عرب میں جرائم میں کمی کی سب سے بڑی وجہ شہریوں کی روزمرہ کی زندگی میں شرعی قوانین کا نفاذ ہے۔

کویت مالی امداد کے معاملہ میں خلیجی تعاون کونسل کے ممبر ملکوں کو ترجیح دیگا

کویت کی مالی امداد کی مستقل کمیٹی نے سفارش کی ہے کہ خلیجی تعاون کونسل کے ممبر ملکوں کو امداد دینے کے معاملے میں ترجیح دی جائے اس کے بعد برادر اسلامی ملکوں اور عرب ملکوں کو امداد دی جائے اور پھر دیگر ملکوں کی باری آئے گی

افغان مجاہدین نے ٹینک شکن ہتھیار تیار کر لئے۔

ہرات کے علاقے کے افغان مجاہدین کے کمانڈر اسماعیل خاں نے کہا ہے کہ وہ چودہ ہزار مجاہدین کے ساتھ سر پر کفن باندھے سپر پاور اور اس کے حلیف کی مشترکہ فوجوں سے نبرد آزما ہیں ان کے نمائندے سید احمد مودودی چشتی نے ایک بیان میں کہا ہے کہ ہرات کے جیالے مجاہدین پنج شیر پاکستان اور افغانستان کے دیگر علاقوں کے بہادروں سے کم نہیں ہیں جو بے سروسامانی کی حالت میں روسی اور کارمل فوجوں سے نبرد آزما ہیں انہوں نے کہا کہ ہرات، شندن ایر بیس پر روس نے اپنے جدید ہتھیاروں اور جہازوں کا ذخیرہ کر رکھا ہے، شندن کے ہوائی اڈے سے روسی جہاز پرواز کرکے پاکستان کی فضائی حدود کی خلاف ورزی کرتے ہیں

اسی اڈے پر مگ ۲۱ کے علاوہ جدید ترین اور مہلک میزائیلوں کا بہت بڑا ذخیرہ ہے مجاہدین کے پاس ایسے موزوں ہتھیار نہیں ہے کہ وہ اس فوجی اڈے کو تباہ کرسکیں تاہم ایک بار حملہ کرکے دو جہازوں کو نقصان پہنچا چکے ہیں انہوں نے بتایا کہ مجاہدین نے سلمی ڈیم پر قبضہ کرلیا ہے اور اس پر اب بھی قبضہ ہے انہوں نے مزید بتایا کہ مجاہدین نے اسلحہ کی ضرورت روسی اور کارمل فوجیوں سے اسلحہ چھین کر پوری کی ہے اور عام استعمال کا اسلحہ ان کے پاس ضرورت سے بھی زائد ہے لیکن طیارہ شکن ہتھیار ان کے پاس نہیں ہیں، انہوں نے بتایا کہ مجاہدین نے خود ٹینک شکن ہتھیار بنا لئے ہیں اور ان کے ساختہ ہتھیار بڑے موثر ثابت ہوتے ہیں جو روسی ٹینک کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ہیں۔

رابطہ عالم اسلامی بنگلہ دیش سے تین لاکھ بہاریوں کی پاکستان منتقلی کے لئے ۳۰ کروڑ ڈالر کے اخراجات برداشت کرے گا۔

بنگلہ دیش سے تین لاکھ بے گھر بہاریوں کی مرحلہ وار پروگرام کے تحت پاکستان آمد جلد شروع ہو جائے گی، انہیں ہوائی جہازوں اور بحری جہازوں کے ذریعہ لایا جائے گا اس عمل پر ۳۰ کروڑ ڈالر خرچ ہوں گے، جو رابطہ عالم اسلامی فراہم کرے گا یہ بات رابطہ کے سکریٹری جنرل ڈاکٹر عبداللہ نصیف نے اخباری نمائندوں سے باتیں کرتے ہوئے بتائی، انہوں نے مزید بتایا کہ رابطہ عالم اسلامی بے گھر بہاریوں کی واپسی سے متعلق کیبنٹ ڈویژن کی کمیٹی سے قریبی رابطہ رکھے گا

سعودی عرب کو ایف ۱۵ طیاروں کی فراہمی۔

سعودی عرب کو ۴۰ ایف ۱۵ طیاروں کی فراہمی کا رسمی اعلان آئندہ شاہ فہد کے دورہ واشنگٹن کے موقعہ پر کردیا جائے گا مڈل ایسٹ سروے نے اس امر کا انکشاف کیا ہے جس کا تعلق متعلقہ انتظامی حکام سے ہے صدر ریگن نے اس فروخت کی منظوری جنوری کو دے دی تھی اس اجلاس میں وزیر خارجہ جارج شلز، وزیر دفاع کیسپر وائنبرگر اور قومی سلامتی کے مشیر رابرٹ میکفارلین بھی موجود تھے شلز نے تو اسی معاملہ پر اپنے تحفظات کا اظہار کیا تھا لیکن وائنبرگر نے فروخت کی حمایت کی تھی جس کے بعد وہ سعودی عرب گئے تھے جہاں انہوں نے شاہ فہد کو امریکہ کے دورے کی دعوت دی، انتظامی حکام مرتبہ معاملہ کانگریس کے سامنے پیش کرتے ہوئے ایران سے سعودی عرب کو لاحق خطرے کی فراہمی کی دلیل بنانا چاہتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ اسرائیل کی مخالفت کو اقتصادی امداد کے ذریعہ دبا دیا جائے۔

مغربی صحارا کا مسئلہ کرنل قذافی کے بقول حل ہوا چاہتا ہے۔

لیبیا کے لیڈر کرنل معمر قذافی نے خیال ظاہر کیا ہے کہ مغربی صحارا کا مسئلہ حل ہونے کے قریب ہے انہوں نے کہا کہ مراکش اور الجزائر نے اس مسئلہ پر دوبارہ رابطہ قائم کرلیا ہے ایک اخباری انٹرویو میں انہوں نے کہا کہ میرا ملک مغربی صحارا میں ریفرنڈم کرانے کے سلسلہ میں ہر قسم کی مدد دینے کو تیار ہے، انہوں نے مراکش اور لیبیا کے مابین معاہدہ اتحاد کی حمایت کی۔

ایران و ترکی کے مابین تجارتی و اقتصادی تعاون کا معاہدہ

ایران اور ترکی نے تین ارب ڈالر کے ایک تجارتی اور اقتصادی تعاون کے معاہدہ پر دستخط کئے ہیں یہ معاہدہ ایک سال کے لئے ہے اس معاہدہ کے تحت ایران ترکی کو ۳۰ لاکھ ٹن خام تیل دے گا علاوہ ازیں وہ کچھ دیگر مصنوعات برآمد کرے گا، جواب میں ایران ترکی سے کپڑا، مشنری، دھاتیں، صنعتی آلات، بجلی کا سامان، کیمیکلز اور پلاسٹک کی مصنوعات درآمد کرے گا۔

مولانا جعفر علی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ حضرت سید احمد شہیدؒ کا خاندان اور ظہور احمدؒ سابق محصل دار العلوم کا ان سے تعلق

ڈاکٹر محمد اجتبا ندوی
جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ

مسجد نبوی میں عصر کی نماز ادا کر کے گھر واپس ہوا ہی تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی نے چونکا دیا، معمول کے خلاف گھنٹی کی آواز سے دل دھڑکنے لگا، تیسری گھنٹی پر ریسیور ہاتھ میں لیا آواز سید سلمان کی تھی، مبہم اور غم آلود، میں انھیں لکھنؤ چھوڑ کر آیا تھا، پوچھا کہاں سے؟ جواب دیا ریاض سے اور ابھی ابھی پہنچا ہوں، خیر خیریت کے بعد بڑی ہلکی آواز میں گفتگو شروع کی، آپ کے آنے کے بعد ندوے میں کئی حادثے ہو گئے ہیں، مولانا سید نور الحسن صاحب استاد دار العلوم کا انتقال ہو گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون، مولانا مرحوم سے طالب علمی کے زمانہ سے ہی بہت مانوس تھا ان کی شخصیت میں بڑی کشش اور جاذبیت تھی، خوش اخلاقی نیکی و سادگی کے ساتھ ساتھ بڑا علمی اور ستھرا ادبی ذوق رکھتے تھے لکھنؤ کی پاکیزہ تہذیب اور اسلام کے عظیم اخلاق کے حامل تھے، خبر سن کر بے حد رنج ہوا اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔

دوسرا حادثہ مولانا محمد عارف صاحب سنبھلی کی صاحبزادی کا سانحۂ وفات تھا خبر سے بڑا صدمہ پہنچا اللہ تعالیٰ مولانا مدظلہ کو صبر و سکون عطا فرمائیں۔

سید میاں نے چند لمحے توقف کے بعد ظہور میاں کی بیماری، ہسپتال میں داخلہ علاج معالجہ کی تفصیل اس طور سے بیان کرنی شروع کی کہ ابتداء میں میرا ذہن بیماری کی سنگینی کی جانب منتقل نہ ہو سکا، انھیں میں ۲۰-۲۵ روز پہلے لکھنؤ میں رخصت کر کے آیا تھا، ٹانگ میں زخم تھا، خیال تھا کہ زخم معمولی ہے دوا علاج سے ٹھیک ہو جائے گا مگر آخر میں جو سید میاں کی آواز بھرّا گئی میرا دل و دماغ لرز اٹھا اور بے اختیار زبان سے انا للہ وانا الیہ راجعون، جاری ہو گیا۔

حادثہ اچانک اور غیر متوقع تھا میں انھیں صحیح سلامت اچھا بھلا چھوڑ کر آیا تھا تصور میں ان کا زیر لب مسکراتا ہوا غم آلود چہرہ ابھر آیا وہ چہرہ جس نے زندگی کے ہر مرحلہ میں رنج و غم کو ہلکی مسکراہٹ اور دبی دبی آہ میں چھپائے رکھا تاکہ اس غم کی آنچ سے اپنوں اور غیروں کے چہرے تمتما اور جھلس نہ جائیں، دوسروں کو خوش دیکھنے کے لیے اپنے غم پنہاں کو نہاں رکھا، جب بھی دریافت حال پر صرف اتنا کہا 'نہیں کچھ نہیں' وہی چہرہ بروز جمعرات ۲۲ اگست ۱۹۸۵ء کی صبح سفید ہونے سے پہلے پھولوں کو چھپانے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے روپوش ہو گیا۔

ظہور میاں اپنی نیکی، سادگی، تواضع و انکسار، بھولے پن، ملنساری، خوش خلقی، خدمت گزاری اور گفتگو میں نرمی اور نرم گفتاری کی وجہ سے بہت محبوب اور مقبول تھے، ہر بڑا چھوٹا ان سے مانوس تھا، ان سے ملنا اور ان کے ساتھ وقت گزارنا پسند کرتا تھا خاندان کے ان چیدہ لوگوں میں سے تھے جنھیں ہر ایک جانتا پہچانتا تھا اور ان سے مل کر خوش ہوتا تھا، لکھنؤ جب بھی کوئی آتا تو ان سے ملاقات کیے بغیر نہ جاتا، ان کو بھی اس وقت تک چین و اطمینان نہ ہوتا جب تک مل نہ لیتے اور ہر چھوٹے بڑے کی خیریت نہ معلوم کر لیتے۔

ظہور میاں ۱۹۲۰ء میں ضلع بستی (یوپی) کے ایک چھوٹے سے سرسبز و شاداب گاؤں بھوا میر میں پیدا ہوئے۔ بھوا میر بستی شہر کے شمال میں چند میل کے فاصلہ پر حسینی سادات کی ایک بستی ہے جن کا سلسلہ نسب حضرت علی زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ خاندان کے ایک بزرگ ایران و خراسان میں دعوت و ارشاد کا کام کرتے ہوئے ہندوستان میں داخل ہوئے اور پنجاب کے قصبہ 'نارنول' کو اپنے مرکز و مسکن کے طور پر منتخب فرمایا۔

غالباً دسویں صدی ہجری کے آخر میں چند بزرگ خاندان دعوت و تبلیغ کے جذبہ اور شوق میں 'نارنول' سے مشرق کی جانب روانہ ہوئے اور اجودھیا میں قیام کیا، اجودھیا کے دوران قیام ہی میں کچھوچھہ (فیض آباد) میں آرام فرمانے والے مشہور بزرگ حضرت سید شاہ مخدوم جہانگیر اشرف سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان سے تعارف ہوا اور قرابت داری کا سلسلہ قائم ہوا۔

گیارہویں صدی ہجری کے اواخر میں ایک بزرگ خاندان حضرت مولانا سید دولت علی رحمۃ اللہ علیہ اپنے علم و فضل، صلاح و تقویٰ اور قوت تاثیر کی بنا پر بڑے محبوب و مقبول ہوئے، ان کی نیکی اور راست بازی اور بزرگی کی شہرت سن کر راجہ صاحب بستی نے انھیں امراء کے ساتھ اپنے علاقہ میں قیام کی دعوت دی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے پس و پیش کے بعد راجہ صاحب کی دعوت قبول کر لی، راجہ صاحب نے اپنا ایک گاؤں 'بھوا' خدمت میں پیش کیا، ان کے وہاں آباد ہو جانے کے بعد اس گاؤں میں 'میر' کا اضافہ ہو کر بھوا میر کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔

سید دولت علی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں تین بزرگ علماء بیٹے سید قطب علی اور پوتے سید جعفر علی اور سید حسین علی گزرے ہیں جنھوں نے ہندوستان کی عظیم اور ملک گیر اسلامی تحریک کے بانی و رہنما حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ سے ارادت و خلافت کی سعادت حاصل کی، مولانا سید قطب علی نے اپنی اس سن رسیدگی اور ضعف کے باوجود حضرت امیر المومنین کی خدمت میں جانے اور حاضر ہونے کا ارادہ کر لیا اور ایک بڑی جماعت کو ساتھ لے کر راستہ کی دشواریاں برداشت کرتے ہوئے چل پڑے، آخر ضعف اور تکان کی وجہ سے تکیہ مبارک کے قریب ہی 'روانی پور' میں بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ حضرت سید شہید رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع ملی تو اپنے محبوب بھتیجے سید محمد یعقوب کو تاکید فرمائی کہ ان کی نگرانی کریں اور اپنا مہمان بنا کر راحت پہنچانے اور تیمارداری کا پورا خیال رکھیں، سید قطب علی صاحب کا قیام ایک مہینہ تکیہ مبارک میں رہا، سفر جہاد میں شرکت کی درخواست پر حضرت سید صاحب نے قطب علی صاحب کی کبر سنی اور ضعف کی وجہ سے اجازت نہیں دی لیکن مولانا عبد الحئی صاحب سے خلافت کی سند لکھوا کر دی اور رخصت کیا۔

وطن واپس ہونے پر ان کے دونوں بیٹوں سید حسین علی اور سید جعفر علی میں سفر جہاد کے لیے کشمکش شروع ہوئی، والدہ ماجدہ کی خدمت میں فیصلہ کی درخواست پیش کی، والدہ صاحبہ نے یہ فرما کر فیصلہ سے انکار کر دیا کہ دونوں پر فرض ہے، میں کسی ایک کو ترجیح نہیں دے سکتی۔

چند دن کی بحث و تمحیص کے بعد دوسرے بھائی کو والدین کی خدمت کے لیے روک کر مولانا سید جعفر علی ایک شب خاموشی سے روانہ ہو گئے اور راستہ کی بے انتہا صعوبتیں اٹھاتے ہوئے سرحد پہنچے اور اعب میں حضرت سید صاحب کی خدمت میں ۱۲ رمضان ۱۲۴۵ھ کو حاضر ہو گئے، سید جعفر علی کی صلاحیت کا اندازہ کر کے چند دن بعد ہی ان کو منشی خانہ میں منتقل کر دیا گیا، اور کار دعوت و جہاد کے ساتھ آخر میں میر منشی کے فرائض انجام دیے، آخری جنگ بالاکوٹ میں نہ صرف شریک ہوئے بلکہ سانحۂ عظیم اور حضرت سید صاحب کی شہادت کے وقت قریب ترین لوگوں میں تھے۔ اللہ تعالیٰ کو ان سے ضلع بستی اور اس کے قرب و جوار میں دعوت و ارشاد کا کام لینا تھا اس لیے زندہ بچ گئے۔ وطن واپس آکر اس سلسلہ دعوت کو تا دم آخر قائم رکھا، متعدد دینی مدارس قائم کیے جن میں مدرسہ ہدایت العلوم کرہی ضلع بستی اور سیوان و چمپارن (بہار) میں مادھو پور کا اب تک قائم ہیں اور دینی تعلیم کے سرچشمے ترقی کر رہے ہیں۔

مولانا جعفر علی صاحب کا دوسرا اہم کارنامہ حضرت سید شہید کے حالات میں ایک مفصل بارہ سو صفحات کی تصنیف منظورۃ السعداء فی احوال الغزاۃ والشہداء ہے جو نواب امیر الدولہ مرحوم والی ٹونک کے اشارہ سے لکھی گئی کتاب اب تک قلمی ہے، اس کا مکمل فوٹو کتب خانہ ندوۃ العلماء میں آگیا ہے سنا ہے لاہور میں اس کی طباعت کا انتظام ہو رہا ہے۔

مولانا جعفر علی صاحب کے دوسرے بھائی سید حسین علی صاحب کے ایک ہی صاحبزادہ سید محمد زکریا تھے لیکن اپنی ذہانت، دینداری، ہوشمندی اور اقبال مندی کی بنا پر اپنے دادا اور باپ و چچا کی لگائی ہوئی پود کو سرسبز و شاداب رکھنے اور برگ و بار لانے کے لیے اپنی پوری توانائی صرف کی، دنیاوی اعتبار سے بھی انھیں بڑی عزت و عظمت ملی علاقہ کے رہبر و رہنما بھی تھے اور دعوتی و تبلیغی دورے بھی کرتے رہے جس سے بڑا نفع پہنچا، خدا تعالیٰ نے ان کو نو بیٹے عطا کیے، پہلے اور سب سے بڑے سید محمد یوسف صاحب تھے جو اپنے گھرانے کے مالی و انتظامی معاملات کے ذمہ دار ٹھہرے اور پانچویں بیٹے سید محمد مصطفیٰ صاحب دینی و تبلیغی کام کے وارث ہوئے، انھوں نے اپنے آباء کے نقش قدم پر چل کر علاقہ میں دینی کام کیا، دنیا سے بے پروا ہو کر اپنی اولاد کو دینی مدارس میں داخل کر کے دینی تعلیم دلائی اور اخلاق و سلوک کی براہ راست نگرانی کی، بحمد اللہ آج ان کی اولاد دینی کام، عالم، حافظ ہیں اور ہند و بیرون ہند میں علمی و دینی کاموں سے وابستہ ہیں۔

ظہور میاں بھوا میر کے اسی نیک نام خاندان اور مولانا سید جعفر علی و سید حسین علی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے خانوادہ کے چشم و چراغ تھے، سید محمد یوسف مرحوم کے پوتے اور سید حسن مرحوم کے صاحبزادے تھے۔ ظہور میاں نے جس وقت ہوش سنبھالا، خاندان کی دینی و دنیوی عزت اور جاہ و جلال برقرار تھا اور ان کے والد کے چھوٹے چچا سید محمد احمد مرحوم کا علاقہ بھر میں بڑا اثر تھا، خاندانی روایات اور دینی اقدار کو سینہ سے لگائے ہوئے تھے اور بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، ان کے والد سید حسن زمیندار اور خوشحال تھے، وجیہ و شکیل خوش پوش و خوش اطوار شخصیت کے مالک تھے، زمینداری کے ماحول نے تنک مزاج بنا دیا تھا لیکن دین و علم کے قدردان تھے۔ چنانچہ گاؤں میں انھوں نے ظہور میاں کو پرائمری تعلیم دلا کر سریا واں کے مڈل اسکول مزید تعلیم کے لیے بھیج دیا۔

میرے بچپن میں خاندان کے چار افراد سریا واں کے مڈل اسکول میں زیر تعلیم تھے ماموں زاد بھائی سید محمد طیب مرحوم، اور برادران سید محمد شفیع اور مولانا حافظ سید محمد عبد اللہ اور مرحوم سید ظہور احمد گھرانے بھر میں یہ چاروں بڑے رشک اور قدردانی سے دیکھے جاتے۔ ہمارے برادر معظم مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحب (حال ناظم کتب خانہ ندوۃ العلماء) اس وقت مظاہر علوم سہارنپور میں دورۂ حدیث کی تکمیل کر رہے تھے خاندان میں بڑی شہرت اور عزت تھی۔ غالباً دو نسلوں کے بعد اس خاندان کا ایک فرد سند فراغت حاصل کر کے آنے والا تھا، مجھے اب تک یاد ہے کہ گھرانے میں ان کے استقبال کی بڑے زور و شور اور دھوم دھام سے تیاری ہو رہی تھی۔

گاؤں سے باہر زیر تعلیم یہ نوجوان اعزہ چھٹیوں میں جب گھر آتے تو دھوم مچ جاتی اور ان کا بڑا اعزاز و اکرام ہوتا، مختلف و متنوع قسم کے پروگرام بنتے، بزرگوں کے رکھ رکھاؤ، رعب داب، جاہ و جلال، خوش اخلاقی، پند و نصائح، سرپرستی و نگرانی، خوردوں اور نوجوانوں کی سعادت مندی، خدمت گزاری، خلوص و وفاداری، اطاعت گزاری اور ادب و احترام کے خوب خوب مناظر سامنے آتے، اس ملے جلے جذبات و روابط کی بنا پر گاؤں اور خاندان میں اخلاص و محبت، ہم آہنگی و استواری، گہری وابستگی اور مدد و تعاون کی گنگا جمنا بہتی تھی، اس دور کے خلوص و محبت اور رس بھری زندگی کی رعنائیوں کی ایک داستان ہے جس کے بیان کے لیے فرصت درکار ہے، اس بچپن کا ایک واقعہ یاد پڑتا ہے کہ ظہور مرحوم گھر آئے ہوئے تھے گاؤں کے شمال میں ایک بڑا پوکھرا (تالاب) ہے اس کا پانی صاف شفاف اور آس پاس کھلا و شاداب میدان اور حد نظر تک سرسبز لہلہاتے کھیت و باغات تھے موسم بڑا خوشگوار تھا، پروگرام بنا چلو پوکھرے میں نہائیں گے میں پیرنا نہیں جانتا تھا ظہور مرحوم نے کہا تمہیں پیرنا سکھا دیں، اور مجھے ہاتھوں میں لے کر گہرے پانی میں ڈھکیل دیا، میں چھپٹتے ہی یکدم پانی میں ڈبکیاں لینے لگا، اس کے بعد مجھے نہیں معلوم کیا ہوا، آنکھ کھلی تو دیکھا سیڑھیوں پر لیٹا ہوا ہوں اور لوگ گھیرے ہوئے ہیں، کانوں میں بڑے بھیا سید محمد ادریس مرحوم کی گرجدار آواز گونج رہی تھی، اندازہ ہوا بھیا ظہور مرحوم پر خفا ہو رہے ہیں، میں نے پلٹ کر دیکھا تو ظہور کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے نہ معلوم یہ آنسو بھیا مرحوم کی ڈانٹ اور خوف سے تھے یا میرے زندہ بچ جانے کی خوشی میں!

ظہور میاں نے جب مڈل پاس کیا تو حالات کچھ سے کچھ ہو گئے تھے مزید تعلیم جاری نہ رکھ سکے، بیکاری اور آزادی نے گل کھلائے، ان کے قدم ایک اجنبی ڈگر پر جا پڑے۔ بیکاری سے تنگ آکر صوبہ کے کاروباری شہر کانپور کی راہ لی وہاں گاؤں کے کچھ نوجوانوں کے علاوہ دو عزیز بھائی طاہر و طیب میاں برسر روزگار تھے ان لوگوں نے ان کے لیے بھی ملازمت تلاش کر دی، مگر ماحول اچھا نہیں ملا، قدم پہلے ہی ڈگمگا چکے تھے۔ برے ماحول نے اپنا کرشمہ دکھایا چنانچہ گانے کا شوق اس حد تک بڑھ گیا کہ ڈیوٹی سے ناغہ ہونے لگا، گھر آئے تو گانے کا شوق ساتھ لائے، گھر والوں سے چھپ چھپا کر دار کھیتوں اور باغوں میں اپنا شوق پورا کرتے، ہم بچے اس عیب سے بیگانہ محض تماشا سمجھ کر ان کے پیچھے پیچھے پھرتے آخر خاندان کے بزرگوں کو پتہ لگ گیا اور ہم پر پابندی عاید ہو گئی۔

میں نے ایک دن ظہور میاں کے والد سید حسن صاحب مرحوم، ہم لوگ ان کو سید بھیا کہتے تھے، کو یہ کہتے سنا کہ بیٹے! اس حرکت سے باز آجاؤ یہ دین اور خاندانی وقار کے منافی ہے تمہیں اس کا بھی پاس و لحاظ نہیں ہے کہ تمہارے ایک چچا عالم دین (مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحب) اور دوسرے چچا (حافظ مولانا سید محمد عبد اللہ) حافظ قرآن ہیں ان دونوں کی تمہاری اس حرکت سے بدنامی ہوگی۔

سید بھیا مرحوم اپنے عم زاد بھائیوں میں سب سے بڑے تھے اور بڑے کروفر اور ٹیپ ٹاپ کے آدمی تھے تنہا وہی تھے جو دادا دادی کی زندگی میں پیدا ہوئے اس لیے ان کا بڑا لاڈ پیار ہوا اور ان کی ہر خواہش پوری کی گئی جس سے ان کے مزاج میں ضد اور جلد اشتعال انگیزی کا عنصر غالب آگیا تھا مگر ان سب کے باوجود ان کے دل میں دین کا احترام اور عالم دین کی قدر تھی اس سلسلے میں دو واقعے میرے حافظے میں محفوظ ہیں۔

۱۔ سید بھیا مرحوم کے خشخشی داڑھی کے ساتھ بڑی بڑی مونچھیں تھیں، ایک بار مولانا ہدایت علی صاحب ناظم مدرسہ جعفریہ ہدایت العلوم کرہی (خلیفہ اجل حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ) تشریف لائے سید بھیا ملاقات کے لیے حاضر ہوئے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے مونچھیں دیکھ کر نصیحت فرمائی اور فرمایا کہ قینچی منگائیے میں لبیں درست کر دوں، بھیا نے جواب دیا کہ ان شاء اللہ کتروا دوں گا، کچھ عرصہ بعد انھوں نے مونچھیں کتروا دیں اور شرعی داڑھی رکھ لی۔

۲۔ سید بھیا کو تاش کھیلنے کی عادت بھی نہیں لت پڑ گئی تھی، ایک مرتبہ اپنے برآمدے میں چچا احسان احمد مرحوم (رشتہ کے چچا) کے ساتھ تاش کھیل رہے تھے اسی دوران برادر معظم مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحب (جو اسی سال مظاہر علوم سہارنپور سے فارغ ہو کر آئے تھے) برآمدے میں داخل

ہوئے، بھیا نے جھٹ تاش جمع کر کے چھپا دیے اور کھڑے ہو گئے، جب وہ چلے گئے تو احسان چچا مرحوم نے خفا ہو کر کہا کہ یہ حرکت کیوں کی؟ جواب دیا، بھائی چھوٹا سہی عالم دین تو ہے اس کا لحاظ اور احترام ضروری ہے۔

ظہور میاں پر والد کی نصیحت اثر انداز ہوئی دوبارہ کانپور گئے، جب گھر واپس آئے تو شرعی داڑھی کے ساتھ شرعی کرتے پاجامہ اور ٹوپی میں ملبوس تھے گویا زندگی بدل گئی، دین اور صلاح کی زندگی اور روش اختیار کر لی جس پر آخری لمحات تک قائم رہے اور صلاح نیکی راست بازی اور سادگی میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔

اب ان کے والد کو ظہور میاں کے نصف دین کی تکمیل کی فکر ہوئی، عزیزوں ہی میں ایک رشتہ طے کر کے شادی کی تاریخ مقرر کر دی، اہل خاندان کو اطلاع ملی۔ چونکہ سید بھیا اور محترم سید محمد احمد مرحوم دونوں کے درمیان کسی معاملہ میں رنجش و کدورت ہو گئی جس کی وجہ سے سید بھیا گاؤں کے کسی فرد کو بارات نہیں لے گئے۔

خود ظہور مرحوم اور ایک اور کوئی صاحب تین نفری بارات [illegible] روانہ ہو گئی، بہو رخصت کرا کے لے آئے، ظہور میاں کو بیوی سمجھدار، خوش سلیقہ اور عاملہ فہم ملی، زندگی کے نرم گرم میں خوش سلیقگی سے نباہ دیا۔

زمینداری ختم ہو جانے کی وجہ سے پیداوار اور آمدنی میں کمی ہو گئی، حالات بد سے بدتر ہوتے چلے گئے، ظہور میاں نے ذریعہ معاش بہتر بنانے کی بڑی کوششیں کیں، آٹا پیسنے کی مشین سے لے کر مختلف کاموں اور ملازمتوں سے وابستہ رہے مگر خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ کر سکے، کچھ عرصہ مرکز دعوت الحق ہردوئی کے مدرسہ اشرف المدارس میں نگران مطبخ کے طور پر کام کیا، محنت، جانفشانی اور دیانت داری کی وجہ سے اعتماد حاصل تھا مگر کسی وجہ سے اس کام کو جاری نہ رکھ سکے۔

ان کے چچا مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحب ندوۃ العلماء لکھنؤ میں تھے، انھوں نے ان کو لکھنؤ آنے کی دعوت دی، مولانا سید محمد ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے مکتبہ اسلام میں ایک مخلص اور محنتی کارکن کی ضرورت تھی، مولانا محمد ثانی صاحب خاندان سے دیرینہ روابط، مولانا مرتضیٰ صاحب سے مخلصانہ تعلق اخوت و رفاقت کی بنا پر خاندان کے ہر فرد سے واقف تھے کئی بار مولانا مرتضیٰ صاحب کے ہمراہ بھوا میر جا چکے تھے اس لیے ظہور میاں سے نہ صرف واقف تھے بلکہ دونوں ایک دوسرے سے مانوس بھی تھے، چنانچہ ظہور مرحوم نے مکتبہ اسلام میں کام کرنا شروع کر دیا اور کئی برس تک مکتبہ اسلام سے وابستہ رہے، مولانا مرتضیٰ صاحب کی سرپرستی، مولانا محمد ثانی صاحب کی ہمدردی و رفاقت، ملک کے ممتاز داعی اور مایہ ناز خاندان حسنی کے بزرگوں اور دوسرے افراد سے ملنا جلنا اور صحبت و استفادہ، مرکز جماعت تبلیغ سے قربت نے ظہور میاں کو دینی پختگی، راسخ عقیدگی، اخلاص، للہیت اور ایثار و قربانی کے جوہر سے نوازا، یہ تمام صفات ان کی زندگی میں رچ بس گئی تھیں، مکتبہ اسلام کے زمانہ کے حالات اور اس دور کی زندگی کے واقعات ظہور میاں مرحوم بڑے مزے لے لے کر بیان کیا کرتے تھے۔

آخر میں مولانا محمد مرتضیٰ صاحب کے توسط سے ندوۃ العلماء لکھنؤ میں سفیر مقرر ہوئے اور پندرہ برس سے زیادہ اپنی حیات کے آخری لمحہ تک اس ملازمت سے وابستہ رہے ملازمت کے چند برس کے بعد لکھنؤ کے محلہ ڈالی گنج کے قریب 'اندرا نگر' نامی آبادی میں ایک چھوٹا سا مکان بنوا کر بیوی بچوں کو بھوا میر سے منتقل کر لیا تھا، ندوہ کی ملازمت اور ندوے کی علمی فضا اور دینی و تبلیغی ماحول میں رہ کر بڑے خوش اور مطمئن تھے، اپنے مشفق چچا مولانا مرتضیٰ صاحب جن سے سب سے زیادہ مانوس تھے کی سرپرستی اپنے لیے نعمت غیر مترقبہ اور خیر و فلاح کا سبب جانتے تھے، خود خاندان تو تھے ہی اب اس گھر کے ایک جزو اور حصہ بن گئے تھے۔

ان کی موت سے خاندان اور اس گھر میں بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا، جانی جان مولانا مرتضیٰ صاحب نے راقم کے نام اپنے خطوط میں بڑے رنج اور دکھ کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے، اپنے گرامی نامہ مورخہ ۸ ذی الحجہ ۱۴۰۵ھ میں لکھتے ہیں:

"ظہور کی موت سے بڑا خلا ہو گیا، ان کے حسن اخلاق اور سادگی سے سب متاثر تھے چنانچہ بھوا میر، کسرو پورہ کا مگار کے اکثر لوگ

(بقیہ ص ۱۰ پر)

دعوت اتحاد

ابو الاسرار رموزی اٹاوی، ایم۔ اے (علیگ) جودھپور

اتحاد و امن جب اسلام کا مقصود ہے
فرقہ بندی کا تصور مطلقاً بے سود ہے
مصطفیٰؐ نے کب کہا فرقے بنانے کے لئے؟
حق نے بھیجا تھا انھیں فرقے مٹانے کے لئے
ایک دین نازل ہوا ہے نوع انساں کے لئے
فرقہ بندی ایک لعنت ہے مسلماں کے لئے
فرقہ بندی جرم ہے آیات قرآں کے خلاف
جنگ پہ آمادہ کر دیتا ہے اس کا اختلاف
فرقہ بندی توڑتی ہے اتحاد باہمی
اس سے آتی ہے مسلمانوں کی طاقت میں کمی
فرقہ بندی اوڑھ لیتی ہے عداوت کا غلاف
فرقہ بندی ہے "حصار نظم ملت" میں شگاف
فرقہ بندی جو سکھائے دشمن اسلام ہے
غیر کا جاسوس ہے وہ مرد نافرجام ہے
حشر میں فرقے نہیں اعمال دیکھے جائیں گے
جتنے بد اعمال ہیں، بد حال دیکھے جائیں گے
متحد ہو کر مسلمانوں کو رہنا چاہیئے
چشمۂ توحید کے دھارے میں بہنا چاہیئے
نعرۂ خلق و محبت تیز کرنا چاہیئے
فرقہ بندی سے ہمیں پرہیز کرنا چاہیئے
کوئی فرقہ ہو کسی فرقہ کا میں حامی نہیں
معتقد اسلام کا ہوں جس میں کچھ خامی نہیں

نعت شریف

ڈاکٹر طفیل احمد مدنی

از زمیں تا آسماں ہر سو ہے شہرہ آپ کا
کوئی ثانی ہی نہیں ہے میرے آقا آپ کا
آپ ہی تو سید لولاک ہیں میرے حضورؐ
کون جانے گا بجز اللہ رتبہ آپ کا
آپ ہیں نور مجسم رحمۃ للعالمین
نور و رحمت سے مرکب ہے سراپا آپ کا
رکھ نہیں پایا زمانہ آج تک انگلی کہیں
ہر سخن ہے معتبر ہر قول سچا آپ کا
اپنے قرآں میں کہیں طٰہٰ کہیں یٰسیں کہا
قدرداں ہے کس قدر خود رب کعبہ آپ کا
عالم کون و مکاں ہے اس قدر احسان مند
آج بھی گن گا رہا ہے ذرہ ذرہ آپ کا
جب مکان و لامکاں ہیں آپ کے زیر نگیں
کیا کوئی مشکل ہے میرے گھر تک آنا آپ کا
آپ کو ہر ہر نفس پر فکر امت ہی رہی
کس قدر مضبوط ہے امت سے رشتہ آپ کا
یونہی دی جائیں اذانیں مسجدوں میں حشر تک
تا قیامت یونہی لہرائے پھریرا آپ کا
اس طفیل عاصی و خاطی پہ بھی ہو اک نظر
ہے بہر صورت بُرا یا وہ اچھا آپ کا

اسے بھی ضرور پڑھ لیجئے

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی دامت برکاتہم کی یادگار تصنیف "پرانے چراغ" حصہ دوم سے سید عبد الرب صوفیؒ اور ان کے کلام کے تعارف کے چند اقتباسات۔

وہ (صوفی صاحبؒ) دین میں مداہنت اور مروت کے بالکل قائل نہ تھے، اور کسی بات کو حق سمجھ لینے کے بعد اس سے ایک قدم پیچھے ہٹنے کے لیے تیار نہ تھے الفرقان میں ان کا کلام برابر شائع ہوتا رہتا تھا... اشعار کی روانی اور برجستگی، ترکیب و بندش کی چستی اور اصناف شاعری پر قدرت میرے لیے ایک نیا انکشاف تھا، وہ غزل، قصیدہ، نظم، مثنوی سب کچھ کہتے تھے اور ان کے اس جوہر کے مجذوب صاحب اور جگر صاحب بھی قائل تھے..... مجاہدین کے تذکرہ میں ان کی تیغ زبان کا جوہر اور واقعات کے بیان میں۔ قوافی لشکر کی طرح امڈتے نظر آتے ہیں..... ان کے کلام پر مفصل تبصرہ، ان کے محاسن شاعری کا اظہار اور ان کی زندگی کے اس پہلو کا اجاگر کرنا ہے اس کے ساتھ انصاف کسی اور فرصت اور بہتر صلاحیت کا طالب ہے۔ (پرانے چراغ حصہ دوم ص ۲۹۶ تا ص ۳۰۲)

کلام صوفیؒ مجلد از سید عبد الرب صاحب قدس سرہ قیمت ۴۰/۰۰ (Rs. 40/-)
تحریک ایمان تبلیغی جماعت کا منظوم تعارف از سید عبد الرب صاحب صوفی قدس سرہ، قیمت ۳/۰۰
اہم سفر سفر آخرت کی فکر دلانے والے مضامین و مسائل قیمت ۵/۰۰ (Rs. 5/-)
دعائیں اور اسلامی اداب ہر موقع کی مسنون دعائیں اور ضروریات زندگی کے اسلامی آداب، قیمت ۵/۰۰
آسان روزی اور آسمانی بلاؤں سے حفاظت کیلئے آسان رزق ۳/-
آسمانی روٹی ۲/۰۰ — راہ امن ۱/۰۰
گجراتی زبان سکھانے والی دینی کتابیں گجراتی تختی ۱/۰۰ ایمان بال پوتھی ۳/۰۰
اسلامی پہلی چوپڑی ۵/۰۰ — اقرأ و اجمن ملاؤ اول دوم ۵/۰۰
تذکرہ حضرت مصلح الامتؒ مجلد حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ قدس سرہ کی سوانح حیات، قیمت ۳۰/۰۰

ملنے کا پتہ
محمد یونس صدیقی، مدرسہ دعوۃ الحق، کڈی، ماتر گجرات

رسائل الأعلام

○ عرب علماء، ادباء اور مفکرین کے خطوط کا منتخب مجموعہ ○

مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی مدظلہ کے نام ممتاز علماء و ادباء، بادشاہوں، وزراء اور سیاسی و فکری رہنماؤں کے تقریباً چار سو خطوط سے انتخاب کر کے یہ مجموعہ مرتب کیا گیا ہے۔ عرب اہل زبان کے خطوط کا اتنا اہم اور متنوع مجموعہ شاید کہیں مل سکے۔ یہ خطوط تاریخی دستاویز ہیں، متعدد سیاسی، علمی، اور ادبی و لسانی مسائل کا تجزیہ پیش کرتے ہیں۔ عربی خطوط نویسی کا بہترین نمونہ ہیں اور عربی میں خط و کتابت سکھانے والے اساتذہ و طلبہ کے لئے بیش قیمت تحفہ ہیں۔ قیمت، ۱۵ پندرہ روپے

مکتبہ ندوۃ العلماء
پوسٹ بکس ۹۳ لکھنؤ

ملیشیا کا ایک دعوتی سفر (۷)

پینانگ میں

نذرالحفیظ ندوی

جزیرہ پینانگ ہم لوگ تین گھنٹے میں پہونچ گئے، یہاں ایم کے سکریٹری عبدالکریم صاحب ہمارے استقبال کے لئے موجود تھے، ان کی کار بس اسٹینڈ سے چکر لگا کر ایک بڑے پل پر رک گئی، معلوم ہوا کہ ہمیں جزیرہ میں جانے کے لئے فیری بوٹ پر جانا ہوگا جو دو میل کے سمندری کھاڑی کو آدھے گھنٹے میں طے کرتی ہے، یہ سفر بھی خاصا دلچسپ تھا، ہماری کار کاروں کے ایک کارواں کے ساتھ لائن میں لگ گئی، پانچ لائنیں کاروں کی اور سیکڑوں موٹر سائیکلیں اپنی لائن میں الگ، بیک وقت ایک سو کاریں اور دو سو موٹر سائیکلیں ایک فیری گیٹ میں جا سکتی ہیں آدھے گھنٹے کے اس سمندری سفر میں ہم نے دونوں طرف جہازوں سے مال اترتے دیکھا، مچھلیاں شکار کرنے والی کشتیاں بھی اپنے کام میں مصروف تھیں معلوم ہوا کہ جزیرہ پینانگ کو ایک طویل اور وسیع پل سے دو سال میں ملا دیا جائے گا، پھر اس سمندری کشتی کے ذریعہ سفر کرنے کی ضرورت نہ رہے گی۔

جزیرہ پینانگ کا رقبہ ایک ہزار تیس کیلومیٹر ہے اور آبادی ایک ملین ہے، دارالحکومت کا نام جورج ٹاؤن ہے، اس جزیرہ کو مشرق کے موتی سے بھی یاد کیا جاتا ہے، یہاں کی آب وہوا انتہائی خوشگوار اور سیاحوں کے لئے یہاں بڑی کشش ہے، یہاں چینیوں کی بڑی گھنی آبادی ہے، ہر طرف ان کی خوبو جزیرے میں پائی جاتی ہے، یہاں چینیوں کا ایک مشہور معبد "کیک لون سی" کے نام سے ہے جس کے معنی فردوس کا معبد ہے، اس بھاری بھرکم عظیم الشان عمارت میں اژدہوں اور سانپوں کی عبادت کی جاتی ہے، اس لئے یہاں سانپوں اور اژدہوں کو باقاعدہ پالا پوسا جاتا ہے ۱۸۵۰ء میں اس معبد کو قائم کیا گیا ہے، اسکے چاروں طرف گھنے جنگل اور چاول کے کھیت بنائے گئے تاکہ ان اژدہوں کو حشرات الارض سے غذا ملتی رہے، سو سال پہلے تک دو سو اژدہے تھے، لیکن اب گھٹتے گھٹتے ان کی تعداد سو رہ گئی ہے۔ ان اژدہوں اور زہریلے سانپوں کی دیکھ بھال کے لئے تین نگراں مقرر ہیں جو روزآنہ ٹھنڈے پانی سے ان کو غسل دیتے ہیں اس سے ان اژدہوں میں تناسل کی خواہش پیدا ہوتی ہے، حشرات الارض کے علاوہ انڈے اور مرغیاں ان اژدہوں کو فراہم کی جاتی ہیں۔

جزیرہ پینانگ کی تجارتی اور فوجی اہمیت بہت زیادہ ہے اس لئے پہلے پرتگیزوں نے اسکے بعد برطانیہ نے قبضہ کر لیا تھا، مسلمانوں کی آبادی چالیس فیصدی ہے، یہاں پینانگ یونیورسٹی ہے جس کے کیمپس میں ایک حسین وجمیل اور شاندار مسجد "مسجد ملک خالد" کے نام سے حال ہی میں تعمیر ہوئی ہے ہمارا قیام اس مسجد کے مہمان خانہ میں ہوا، ایم کے ذمہ داروں نے بتایا کہ اس مہمان خانہ میں پہلی بار ملیشیا کے سلطان نے تھوڑی دیر قیام کیا تھا، اس کے بعد آپ اس مہمان خانہ میں قیام کر رہے ہیں، مہمان خانہ واقعی ایک شاہی مہمان خانہ کہلانے کے لائق ہے، مسجد ملک خالد کے عطیہ سے تعمیر ہوئی ہے، چاروں طرف وسیع اور حسین پارک دارالمطالعہ، امام ومؤذن، مسجد کے اراکین ان سب کے لئے الگ الگ کمرے اور کوارٹر ہیں، خود مسجد بڑی کشادہ اور دبیز قالین اور خوبصورت جھاڑ فانوس سے آراستہ ہے خواتین کے لئے اوپر الگ گیلری ہے

یہاں ہماری ملاقات پینانگ یونیورسٹی کے شعبہ سائنس کے پروفیسر ڈاکٹر محمد الیاس سے ہوئی جو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے فارغ ہیں، انکے علاوہ پروفیسر فضل اللہ جمیل سے ملاقات ہوئی جو دو سال قبل بیروت کی درسگاہ میں تاریخ کے پروفیسر تھے اب ملیشیا واپس آ گئے ہیں، ان کے علاوہ ایم کے صدر عبدالمجید اور شعیب امین سے ہمارا تعارف ہوا موخرالذکر ازہر کے فاضل ہیں۔

ہمارا پہلا پروگرام شہر کی ایک مسجد میں تراویح کے بعد ہوا۔ یہاں ہم نے اور شمس صاحب نے تقریر کی ہم نے یہاں کی دینداری واسلامی جذبے کو سراہا شمس صاحب نے لطیف انداز میں حفظ قرآن سے بے توجہی پر توجہ دلائی، دوسرے دن کا پروگرام وسط شہر میں ایم کے مرکز میں ہوا۔ جو چاروں طرف سے چینی آبادی سے گھرا ہوا ہے، اسکے درمیان ایک مختصر سی مسجد میں اللہ کے کچھ بندے نماز قرآن اور دین کی باتوں میں مشغول رہتے ہیں، یہاں ایم کے تمام کارکن جمع تھے، پہلے شعیب امین اور حاجی عبدالمجید صاحب نے ایم کے مقاصد اور طریقہ کار پر روشنی ڈالی، پھر ہم نے غیرمسلموں میں تبلیغ سے متعلق سوالات کئے اور ان کو توجہ دلائی کہ آپ سے ان غیرمسلموں کے متعلق قیامت کے دن سوال کیا جائے گا، ہماری سب سے بڑی ذمے داری یہ ہے کہ ہم اپنے قول وفعل سے ان چینیوں کو اسلام کی طرف متوجہ کر لیں، شعیب امین نے بتایا کہ مسلمان طلباء اپنے چینی ساتھیوں پر اثرانداز ہونے کی کوشش کرتے ہیں، انہیں اپنے دینی اور اجتماعی تقریبات میں شرکت کی دعوت دیتے ہیں غیرمحسوس طریقہ پر چینی اور انگریزی زبان میں لٹریچر فراہم کرتے ہیں، رات کے ایک بجے تک مذاکرہ اور مناقشہ کا سلسلہ جاری رہا، دوسرے دن دس بجے فضل اللہ جمیل کی کار پر پینانگ سے قدح روانہ ہو گئے جو ڈیڑھ سو کیلومیٹر دور ہے وہاں ہم دو گھنٹے میں ایم کے مرکز پہونچ گئے۔

قدح کا کل رقبہ ساڑھے نو ہزار کیلومیٹر مربع ہے اسکے باشندوں کی تعداد گیارہ لاکھ سات سو چار ہے یہ صوبہ پورے ملیشیا میں چاول کی پیداوار کے لئے مشہور ہے، ہم نے مرکز میں تھوڑی دیر قیام کیا اس کے بعد مرکز کے سکریٹری شیخ توفیق ہمیں قدح شہر سے اٹھارہ کیلومیٹر دور ایک دیہات لے گئے جہاں ہمارے عزیز شاگرد فہمی زمزم جو چند ماہ پہلے ندوہ سے فارغ ہو کر درس وتدریس کی غرض سے مرکز التربیۃ الاسلامیہ میں مقیم ہیں یہ مرکز ایک عربی فاضل شیخ نعمت یوسف نے قائم کیا ہے ان کا ارادہ یہ ہے کہ اس مدرسہ کو ندوہ کے طرز پر چلائیں، ندوۃ کا نصاب انہوں نے ابتدائی درجات میں جاری کر دیا ہے وہ چونکہ ندوہ آچکے ہیں یہاں کے طریقہ کار اور ندوہ کے مقاصد سے بھی واقف ہیں، انہوں نے دو سال پہلے سے اس مرکز کے لئے انڈونیشن طالب علم فہمی زمزم کو یہاں آنے کے لئے تیار کر لیا تھا فہمی زمزم اور شیخ نعمت یوسف نے بڑی گرمجوشی سے ہمارا استقبال کیا، تھوڑی دیر میں ہم نے اس نمونے کی اسلامی بستی کا چکر لگا لیا، جو شہر کی مسموم فضا سے بالکل الگ تھلگ تعمیر کی جا رہی ہے اس تربیتی مرکز کے تمام اخراجات ایم کے ذمے ہے والدین نے چھ سال تک کے معصوم بچوں کو دینی تربیت ونشوونما کے لئے اس مرکز کے حوالے کر دیا ہے، تقریباً نصف سے زائد بچے سر پر سبز عمامہ اور مختلف رنگ کے عبا یا لمبے کرتے زیب تن کئے ہوئے تھے۔ ایک پرجوش عربی ترانے سے جو انکی معصوم امنگوں اور مستقبل کے لئے ان کی نیک تمناؤں اور پختہ عزائم کا غماز تھا، دل اس روح پرور منظر سے غیرمعمولی طور پر متاثر تھا، اسی تاثر کے عالم میں ہم دونوں نے ان معصوم بچوں سے خطاب کیا ان سے زیادہ ان کے مربیوں اور اساتذہ سے خطاب کیا اور انہیں ان معصوم اور نوخیز کلیوں کی صحیح ڈھنگ سے دینی تربیت کرنے اور شفقت ومحبت اور حوصلہ افزائی سے کام لے کر ان کی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کی طرف متوجہ کیا اور انہیں بتایا کہ تعلیم وتربیت کا کام بڑی پیغمبری کا کام ہے اسی کے ذریعے تصوف اور تزکیۂ نفس کے سارے مراحل طے ہو جاتے ہیں، اس مرکز میں دینی مدارس کے فارغین طلبہ بھی ہیں، جو ایک طرف اپنے بڑے اساتذہ سے تفسیر وحدیث اور فقہ کی اونچی کتابیں پڑھتے ہیں، دوسری طرف ان معصوم بچوں کی تعلیم وتربیت کا کام بھی کرتے ہیں۔

مرکز سے واپسی ظہر کے بعد ہوئی، شب کو ایم کے ذمہ داروں سے مختلف مسائل پر گفتگو ہوئی دوسرے دن صبح ہم لوگ شیخ ابوبکر کی رہنمائی میں قدح شہر سے بیس کیلومیٹر دور مدرسہ توفیقیہ دیکھنے گئے، شیخ ابوبکر بڑی روانی سے عربی اور اردو بولتے ہیں، وہ ۱۹۶۲ء میں لکھنؤ اور الہ آباد میں رہ کر تعلیم حاصل کر چکے ہیں، مدرسہ توفیقیہ کے مدیر شیخ ازہری نام کے ایک عالم ہیں یہ بھی عراق اور مدراس ولاہور کی تعلیم گاہوں میں تعلیم حاصل کر چکے ہیں، اب عرصے سے اپنے والد کے قائم کئے ہوئے اس مدرسہ کو چلا رہے ہیں جو دینی تعلیم کے لئے قائم کیا گیا ہے، اس مرکز میں میٹرک تک سرکاری نصاب کے ساتھ دینیات کی تعلیم ہوتی ہے، مدرسہ کا ایک حصہ لڑکیوں کے لئے، دوسرا حصہ دو فرلانگ کے فاصلے پر لڑکوں کے لئے ہے، ہوسٹل میں مقیم طالبات کی تعداد تین سو ہے، وہ خود اپنے کھانے پکانے کا اہتمام کرتے ہیں، لیکن ان کے تمام مدرسین مرد ہیں، لڑکیاں شرعی لباس میں (یعنی چہرہ اور ہتھیلی کھلا ہوا) رہتی ہیں، ہم لوگوں نے طلباء سے خطاب کیا، شمس صاحب نے اجتہاد واخلاص کے موضوع پر تقریر کی اور طلبا کو اساتذہ کے احترام، مدرسے کے قوانین پر عمل کرنے اور خارجی ماحول سے بچنے کی ہدایت کی ہم نے "زبان کیسے سیکھیں" کے موضوع پر تقریر کی اور بتایا کہ ہم اس وقت سوچتے اور بولتے ہیں جب ہمارے پاس الفاظ کا ذخیرہ ہوتا ہے، جو سنتا نہیں وہ بولتا بھی نہیں بچہ جیسے الفاظ سنتا ہے اسی طرح وہ بولتا بھی ہے اسلئے ہمیں چاہئے کہ اپنے ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ کریں، ذخیرہ الفاظ میں اضافے کی تین شکلیں ہیں ایک تو ہم مقررین کی تقریر بھی سنیں، دوسرے بلند آواز سے کتاب پڑھیں، تیسرے یہ کہ الفاظ یاد کر کے اپنے ذخیرہ الفاظ میں اضافہ کریں، اس طرح ہم اپنے ذخیرۂ الفاظ سے مافی الضمیر کو اچھی طرح ادا کرنے کی صلاحیت کے مالک ہوں گے، اس کے بعد ہم نے مطالعہ اور کتابوں سے استفادہ کا طریقہ بتایا، مدرسے سے واپسی پر تھوڑی دیر آرام کر کے پھر ہمیں شہر سے سو کیلومیٹر دور بسوت نامی ایک بستی لے جایا گیا، شمس صاحب شہر کی ایک مسجد میں تقریر کے لئے چلے گئے اور ہم فہمی زمزم کے ساتھ بسوت چلے گئے، وہاں ہماری ملاقات ایک عراقی عالم شیخ عزمی سے ہوئی جو قدح میں ایم کے صدر ہیں بش کی مسجد میں ہم لوگوں نے افطار وکھانے سے فراغت کی، بعد تراویح تقریر اور سوال وجواب کا پروگرام بارہ بجے تک ہوا، واپسی میں دو بج گئے، تیسرے دن دو مسجدوں میں الگ الگ ہم لوگوں نے خطاب کیا، اسکے علاوہ ساٹھ کیلومیٹر دور ایک دیہات بھی جانا ہوا، ایک دن صبح کو مقامی مدرسہ محمودیہ کے تقریباً تیس لڑکے ہم لوگوں سے ملنے آئے، ہم یہ سمجھے کہ ان کے سامنے تقریر کرنی ہے، لیکن معلوم ہوا کہ وہ سب ندوہ میں داخلہ اصول وقواعد معلوم کرنے آئے ہیں، ...... لیکن

—— ...... ان سب کا کہنا یہی تھا کہ ہم سب کا تعلق خوش حال گھرانوں سے ہے ہمارے والدین تو یہی چاہتے ہیں کہ ہم عصری تعلیم حاصل کریں، لیکن ہم نوجوانوں کی خواہش یہی ہے کہ ہم دینی تعلیم حاصل کریں — یہاں ایم کے ذمے داروں نے ایرانی انقلاب کے متعلق شیخ ندوی کے موقف کے بارے میں دریافت کیا، جماعت تبلیغ کے اصول وطریقہ کار کے بارے میں بھی مناقشہ ہوا، قیام کے آخری دن شب کو یہاں کی ہندوستان کی مسجد میں ہماری تقریر ہوئی یہ مسجد مدراسی مسلمانوں نے بنوائی ہے، ہم نے اردو میں پہلی بار اس سفر میں تقریر کی، اس کا ترجمہ مسجد کے امام نے ٹامل زبان میں کیا، نماز کے بعد اعظم گڑھ کے بعض افراد ملے جو کاروبار کے سلسلہ میں عرصے سے مقیم ہیں،

قدح شہر میں ہمارا قیام چار دن رہا، یہاں سے ہمارے ترجمان اسمٰعیل بن احمد واپس اپنے گھر کوالالمپور چلے گئے اور ہم صوبہ برلیس کے لئے روانہ ہو گئے، جہاں سے ہمیں لینے کے لئے ایم کے صدر نجمی صاحب آئے تھے۔

نجمی صاحب ایک شکر مل کے جنرل منیجر ہیں، مگر بڑے متواضع، ایرانی انقلاب سے زیادہ متاثر معلوم ہوتے تھے، انہوں نے ایرانی سفارتخانہ کی دعوت پر طہران کا دورہ کیا ہے، ہم نے پورے راستہ ایرانی انقلاب کے دینی پہلوؤں اور عقائد کے بعض اصولوں اور مبادی پر ان سے گفتگو کی، تفصیلی گفتگو شب کو برلیس شہر میں ایم کے کارکنوں سے ملاقات کے موقع پر ہوئی برلیس ایک چھوٹا سا صوبہ ہے جس کا کل رقبہ سات سو چالیس کیلومیٹر مربع ہے اور آبادی ایک لاکھ ساٹھ ہزار ہے، تھائی لینڈ کی سرحدوں سے اس صوبہ کے حدود ملتے ہیں۔

نجمی صاحب ہمیں پہلے شوگر مل لے گئے جہاں ہم نے مل کے کارکنوں سے ظہر کی نماز میں بات چیت کی، عشاء کی نماز سے پہلے ایم کے سکریٹری محمد بدرہ کے مکان پر کھانا ہوا، جس میں چالیس سے زائد ارکان اور شہر کے بعض معززین شامل تھے اس منتخب جماعت کے سامنے ہم نے ہندوستانی مسلمانوں کی دینی جدوجہد، ملی خصوصیات کی بقاء اور تحفظ کے لئے ان کی قربانی، مغربی تہذیب اور مشرکانہ عقائد کا مقابلہ کرنے کے لئے ان کے پختہ عزائم اور ارادوں پر روشنی ڈالی، ہندوستان کی ملی وسیاسی تحریکات کا تعارف کرایا، خاص طور سے ندوہ کے مخصوص فکر اور اسلامی نشأۃ ثانیہ کے لئے اسکی جدوجہد کا تذکرہ کیا، تقریر کے بعد سوال وجواب کی نشست بھی ہوئی، اس مجلس میں ہماری ملاقات ایک نومسلم چینی نوجوان صالح عبداللہ سے ہوئی، جس کی عمر اکیس سال ہے اور اس نے تین سال پہلے حضرت مولانا علی میاں مدظلہ کی کتابوں کو پڑھ کر اسلام قبول کیا ہے، صالح نے بتایا کہ مذہب کے بارے میں ہمارے اندر بڑی بے چینی تھی، چنانچہ ہم نے تمام مذاہب کی بنیادی کتابوں کا مطالعہ کر لیا، لیکن ہماری بے چینی میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔ پھر ایک مسلمان ساتھی نے مولانا ندوی کی کتاب "ارکان اربعہ" (انگریزی) ہمیں دی جس کے مطالعہ سے ہمیں سکون ہوا اور منزل مل گئی، لیکن شیطان نے ہمیں یہ کہہ کر ورغلا دیا کہ کیا ضروری ہے کہ یہ مذہب ابدی اور لازوال بھی ہے اور اس جدید دور میں بھی اس کے اندر رہنمائی اور مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت ہو۔ اس فکر وپریشانی میں ہماری نظر مولانا ندوی کی فکرانگیز کتاب "تاریخ دعوت وعزیمت" (سیویرس آف اسلامک اسپرٹ) پر نظر پڑی، جسکے اجزاء پڑھنے کے بعد ہی میں نے اسلام قبول کر لیا، میری بڑی تمنا ہے کہ اس شخصیت کو دیکھوں جس نے میری زندگی میں انقلاب برپا کر دیا، صالح نے بتایا کہ والدین نے ہمیں گھر سے نکال دیا لیکن ایم والوں نے ہمیں سر چھپانے کے لئے سہارا دیا، ہم نے تعلیم مکمل کی اور اب اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی کوشش کر رہے ہیں ہم لوگ اس دعوتی مجلس سے فارغ ہو کر قیامگاہ واپس آئے کہ صبح کو فجر بعد سفر کرنا ہے، سحری اور نماز کے بعد ہم لوگ آرام کے خواہشمند تھے، مگر بس کا ریزرویشن ہو چکا تھا جو چھ بجے روانہ ہوتی ہے، چنانچہ ہم لوگ چھ بجے ٹھیک ایرکنڈیشنڈ بس سے صوبہ کلنتن کے شہر کوتا بھارو روانہ ہوئے جو برلیس شہر سے آٹھ سو کیلومیٹر دور ہے، ڈیڑھ سو میل کے بعد ایک جگہ دوسری بس تبدیل کی، یہیں ہمارے پاسپورٹ چیک کئے گئے کہ ہمیں تھائی لینڈ کی سرحد سے ہو کر گزرنا پڑے گا پورا سفر جھاڑیوں اور سرسبز وادیوں کا تھا بالآخر چھ بجے صبح کے چلے ہوئے عصر بعد ساڑھے پانچ بجے ہم لوگ کوتا بھارو پہونچ گئے، اگرچہ رمضان کا زمانہ تھا، لیکن معتدل موسم، سرسبز وشاداب وادیوں اور اونچی نیچی پہاڑیوں کے ایک طویل سفر سے ہمیں ذرا بھی تھکن کا احساس نہیں ہوا، ایرکنڈیشن بس کیوجہ سے آرام ہی آرام رہا۔ (جاری)

کینیڈا میں پہلے مسلم اسکول میں طلبہ کی تعداد ۱۵۲ تک ہو گئی۔

کینیڈا کے پہلے مسلم اسکول جو ٹورنٹو میں شمالی امریکہ کی اسلامی سوسائٹی نے قائم کیا تھا اب اس میں کنڈرگارڈن اور گریڈ نمبر ۵ کے طلبا کی تعداد ۱۵۲ ہو چکی ہے، یہ اسکول بہت جلد گریڈ نمبر ۸ تک مکمل ایلیمنٹری اسکول میں تبدیل ہو جائے گا، جس کا لائسنس اس کے پاس ہے اسکول کے پرنسپل عبداللہ ادریس نے حال ہی میں کہا تھا کہ کینیڈا کی نئی مسلمان نسل میں اسلامی ورثے کا تحفظ ایسے ہی کل وقتی اسکول کھولنے سے ہو سکتا ہے۔

خلیجی تعاون کونسل کے جنرل سکریٹری یورپی ممالک کے ساتھ تبادلہ خیال کریں گے

خلیجی تعاون کونسل کے جنرل سکریٹری عبداللہ بشارا، پیرس، روم، بون اور برسلز سمیت کئی یوروپی دارالحکومتوں کا ماہ رواں میں دورہ کریں گے، عبداللہ بشارا ان ملکوں کے وزراء خارجہ سے بھی ملاقات کریں گے، یوروپی اقتصادی کونسل کے عہدیداران اور ارکان خلیج کے ملکوں اور یوروپی ممالک کے مابین تعلقات پر تبادلہ خیال کریں گے اور یوروپی منڈیوں میں مال بھیجنے کے امکانات کا جائزہ لیا ہے۔

چین میں مسلمانوں کے رہائشی علاقے میں اسلامی تشخص کو ابھارنے کی کوشش،

بیجنگ میں حال ہی میں قائم کی جانے فاؤنڈیشن چین کے دارالحکومت میں مسلمانوں کے علاقے نیوجی نامی شاہراہ کو جدید بنانے اور اسے اسلامی خدوخال دینے کی خاطر بیرون ملک اور چین کے مسلمانوں سے عطیات وصول کرے گا، نیوجی نام کی شاہراہ مسلمانوں کے رہائشی علاقے کے طور پر مشہور ہے اور اب یہاں بھرپور طریقہ پر اسلامی تشخص کو ابھارنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

افریقہ کے قحط زدگان کے لئے عرب گلف فنڈ کا عطیہ،

عرب گلف فنڈ برائے ترقیاتی

ادارہ اقوام متحدہ نے افریقہ کے قحط زدگان کے علاج معالجہ اور دیگر طبی سہولیات کے لئے ۵۰ ہزار امریکی ڈالر کا عطیہ دیا ہے اس رقم کا ایک چیک فنڈ کے چیرمین شہزادہ طلال نے سعودی انجمن ہلال احمر کے چیرمین ڈاکٹر حماد الصغیر کو دیا ہے، شہزادہ طلال نے کہا کہ ڈاکٹر صغیر نے حال ہی میں افریقہ کے قحط زدہ علاقوں کا دورہ کیا تھا ان کی رپورٹ کی روشنی میں ایک لاکھ امریکی ڈالر کا اضافہ عطیہ فنڈ سے ریاض کی مقامی کمیٹی کو دیا گیا تھا جو قحط زدگان کے لئے عطیات جمع کر رہی ہے انہوں نے بتایا کہ اس رقم کا ایک چیک ڈاکٹر صغیر کو دیا گیا تاکہ وہ یہ چیک ریاض کے نائب گورنر کو دیدیں جو کمیٹی کے چیرمین ہیں۔

مطالعہ کی میز پر

"قیامت کا منظر"

معنف:- شیخ محمد محمود الصواف
عربی سے ترجمہ:- شمس الحق ندوی ایڈیٹر تعمیر حیات
صفحات:- ۱۰۸ قیمت، آٹھ روپے
"ملنے کا پتہ"
دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مولانا شمس الحق ندوی کے قلم سے ادھر چند برسوں میں متعدد اہم کتابیں عربی سے اردو کے قالب میں ڈھل کر منظر عام پر آ رہی ہیں ان میں مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کا "مشرق وسطی کا سفرنامہ" بڑی اہمیت رکھتا ہے ابو ظبی کے عالم شیخ محمد بن احمد حسن خزرجی کی کتاب "اسلامی سیرت واخلاق" اردو داں حلقوں سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں اب تازہ ترین کتاب قیامت کا منظر ہے جو بلاد عربیہ کے مشہور عالم اور عربی کے مشہور بیان مقرر شیخ محمد محمود الصواف کی کتاب "القیامۃ رای العین" کا سلیس وشگفتہ اور طاقتور ترجمہ ہے قیامت، حشر ونشر، جنت ودوزخ اور ثواب وعذاب کے مضامین کو قرآن مجید نے جس طرح مختلف اسالیب اور متنوع انداز میں بیان کیا ہے اور نادیدہ کو دیدہ اور غائب کو حاضر ومحسوس میں تبدیل کر دیا ہے وہ قرآنی اعجاز ہے، عراقی عالم شیخ صواف نے قرآن مجید کے آخری پارہ کی تین سورتوں کو بنیاد بنا کر حدیث نبوی کی روشنی میں جس طاقتور اور موثر پیرایہ میں لکھا ہے فاضل مترجم نے اس طاقت اور جوش وجذبے کو اردو کے قالب میں منتقل کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے — ہم اس رواں اور شستہ وشگفتہ ترجمہ پر جس پر اصل گماں ہوتا ہے مترجم کو مبارکباد پیش کرتے ہیں مادیت بلکہ خود فراموشی کے اس دور میں یہ کتاب ایک کامیاب واعظ اور مصلح وناصح کا کام دے سکتی ہے۔

نام کتاب	نئی عرب دنیا
صفحات	۲۷۲
قیمت	بیس روپے
مصنف	ڈاکٹر محمد یونس نگرامی ندوی
ملنے کا پتہ	مکتبہ طیبہ سی ۲۶ ڈیوڑھی۔ آغا میر لکھنؤ ۳

ڈاکٹر محمد یونس نگرامی ندوی ایک علمی ودینی گھرانے کے چشم وچراغ ہیں، وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء سے فارغ اور لکھنؤ یونیورسٹی سے ایم، اے، اور ڈاکٹریٹ کرنے کے بعد یونیورسٹی کے شعبۂ عربی سے وابستہ ہو گئے، عصری دانشگاہوں کی غیرعلمی فضا میں سانس لینے کے باوجود ڈاکٹر یونس نگرامی اپنے علمی، تحقیقی اور سیاسی مضامین سے اخبارات ورسائل اور کتابی دنیا کو آباد کرتے رہتے ہیں، اردو کے علاوہ عربی میں بھی ان کے مضامین شائع ہوتے اور عرب اخبارات میں نقل ہوتے رہے، ابھی حال ہی میں ڈاکٹر یونس نگرامی کی تازہ کتاب "نئی عرب دنیا" شائع ہو کر منظر عام پر آئی ہے، موصوف شعبۂ عربی کے علاوہ ایم، اے کے درجات کو (جس میں غیرمسلم طلباء کی خاصی تعداد رہتی ہے) عرب کلچر کے موضوع پر لکچر بھی دیتے ہیں، پیش نظر کتاب انکے مضامین ومقالات کا مجموعہ ہے جو وقتاً فوقتاً اخبارات ورسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں،

اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ نئی عرب دنیا کی جدید ترقیات ہی سے مصنف نے بحث نہیں کی ہے بلکہ ان تمام ملکوں کی قدیم ترین تاریخ اور عہدبعہد سیاسی تبدیلیوں کا بھی جائزہ بڑی خوبی سے لیا ہے، اسکے علاوہ دینی وسیاسی تحریکات اور شخصیات، علمی وسیاسی اداروں اور تنظیموں کا بھی تعارف کرایا ہے۔

کتاب چھ ابواب اور متعدد ذیلی ومرکزی فصلوں میں منقسم ہے، پہلے باب میں عرب دنیا کی جغرافیائی، معاشی اور تہذیبی پس منظر اور اہمیت کا ذکر کیا ہے پھر دور جدید میں مصر وشام پر اتحادی حملوں اور انکے دور رس سیاسی وتہذیبی اثرات پر روشنی ڈالی ہے

دوسرے باب میں نئی عرب دنیا کے عمومی تعارف کے تحت تیرہ عرب ملکوں اور آٹھ افریقی مسلم ملکوں کا تاریخی اور سیاسی جائزہ لیا ہے، اسی دوسرے باب میں تازہ ترین اعداد وشمار میں عرب اور اسلامی ملکوں کے معدنی ذخائر کا جائزہ پیش کیا ہے، تیسرے باب میں مذہبی تحریکات کے تحت وہابی تحریک، سنوسی تحریک، اخوان المسلمون اور مہدوی تحریک کا تفصیل سے تعارف کرایا ہے چوتھے باب میں عالم اسلام کی سیاسی شخصیتوں مثلاً جمال الدین افغانی وغیرہ کا تعارف کرایا ہے، پانچویں باب میں عالم اسلام کی مشہور درسگاہوں اور تنظیموں کا جائزہ لیا ہے، آخری باب میں مسئلہ فلسطین، اسرائیل اور دنیا کی بڑی طاقتیں" کے عنوان سے اسلامی غیرت وحمیت کے جذبہ کا اظہار کیا ہے۔

اور واقعہ یہ ہے کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے الفاظ میں، ایک باخبر مصنف کے قلم اور ایک حساس اور عقیدت مند مسلمان کے قلب میں رابطہ قائم رہا ہے، اعتدال وتوازن اس کتاب کی بنیادی خصوصیت ہے۔

(ن، ع)